وَحْدَةُ الْحُبْ

(محبتِ الٰہی پیدا کرنے کا طریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	خطبۂ ماثورہ	۷
۲	تمہید	۷
۳	صحابی کے قول کا حکم	۸
۴	تدابیر فلاح	۹
۵	بندوں پر اللہ کی شفقت	۱۱
۶	نفس کا فریب	۱۲
۷	نفس کی مثال	۱۳
۸	خدا کے غفور الرحیم ہونے کا مطلب	۱۴
۹	اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی	۱۵
۱۰	عظمتِ الٰہی کا مقتضاء	۱۵
۱۱	اللہ پاک کی غایت مغفرت	۱۶
۱۲	اللہ پاک کی انتہائی رحمت	۱۶
۱۳	''السلام علیکم'' کی عظمت	۱۷
۱۴	نصیحت کے طریقے	۱۸
۱۵	نفس کے دھوکے کی حقیقت	۱۹

۱۶	امت پر حضور ﷺ کی شفقت	۲۰
۱۷	نزاعِ مذہبی	۲۱
۱۸	اختلاف کو دور کرنے کا طریقہ	۲۱
۱۹	دو فرقوں میں اپنے عقائد پر قائم رہتے ہوئے اتفاق ممکن نہیں	۲۳
۲۰	اتفاق کی حقیقت اور طریقہ	۲۴
۲۱	تعلیم نبوی ﷺ	۲۵
۲۲	نسبت مع غیر اللہ کا اثر	۲۶
۲۳	حبّ مال کا انجام	۲۷
۲۴	متقی کی حالت موت	۲۷
۲۵	قبر میں حضور ﷺ کی زیارت	۲۸
۲۶	اتصالِ قوی	۲۹
۲۷	غیر اللہ سے تعلق بڑھانے کا نقصان	۳۰
۲۸	انواعِ محبت	۳۱
۲۹	اشکال کا جواب	۳۲
۳۰	نعمتِ عقل	۳۲
۳۱	سکر و وجد	۳۴
۳۲	حقیقتِ استغراق	۳۵
۳۳	امتیاز محبت	۳۶

۳۴	مخلوق کی محبت اور خدا کی محبت میں فرق	۳۶
۳۵	خوشی کے آنسو	۳۸
۳۶	تعلق مضر	۳۹
۳۷	اسباب کلفت	۴۰
۳۸	زیادہ ہنسنے کا نقصان	۴۰
۳۹	حضور ﷺ کی کیفیتِ تبسم کی وجہ	۴۱
۴۰	افعال میں اعتدال	۴۱
۴۱	حضور ﷺ کے افعال میں اعتدال	۴۲
۴۲	ایک غلطی کا ازالہ	۴۳
۴۳	حضور ﷺ کا کمال	۴۴
۴۴	دوستی و دشمنی میں اعتدال	۴۴
۴۵	حضور ﷺ کے غصہ کا ایک انداز	۴۵
۴۶	انسان کی احتیاج	۴۶
۴۷	افراطِ شفقت	۴۸
۴۸	افراطِ شفقت کی ممانعت	۵۰
۴۹	حد سے متجاوز شفقت کا نقصان	۵۱
۵۰	ایذاء مشائخ بلاقصد	۵۱
۵۱	مرزا صاحبؒ کی نازک مزاجی	۵۲
۵۲	بزرگوں کو تکلیف پہنچانے کا نقصان	۵۳
۵۳	بیعت کی حقیقت	۵۴

۵۴	مروجہ طریقہ بیعت میں غلو	۵۴
۵۵	بیعت میں غلو کی اصلاح کا طریقہ	۵۵
۵۶	پیرو مرید کے معاملات کی اصلاح	۵۶
۵۷	مشورہ کا درجہ	۵۷
۵۸	باپ اور شیخ کے درجے میں فرق	۵۸
۵۹	حافظ شیرازیؒ کے شعر کا صحیح مطلب	۵۸
۶۰	مروّجہ طریقۂ بیعت سے احتراز کی وجہ	۵۹
۶۱	مروجہ طریقۂ بیعت کے التزام کا نقصان	۶۰
۶۲	تکالیف کا علاج	۶۱
۶۳	تعلقات کی حد	۶۲
۶۴	اللہ سے تعلق بڑھانے کا طریقہ	۶۲

وعظ

وَحْدَۃُ الْحُبْ

(محبّتِ الٰہی پیدا کرنے کا طریقہ)

''وحدۃ الحب'' سے موسوم وعظ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے جامع مسجد تھانہ بھون میں ۸ شوال المکرّم ۱۳۳۰ھ بروز جمعہ کو دو گھنٹے تک بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً تین سو تھی۔

مولانا سعید احمد صاحب تھانویؒ نے اسے ضبط فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد لله نحمدهٗ و نستعينهٗ ونستغفرهٗ و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا الٰه الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه و بارك وسلم **اما بعد** : فقد ورد فى احاديث الادعية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((اللهم اجعل حبك احب الاشياء الىّ واجعل خشيتك اخوف الاشياء عندى واقطع عنى حاجات الدنيا بالشوق الى لقائك واذا اقررت اعين اهل الدنيا من دنياهم فاقرر عينى من عبادتك))(۱)۔

''اے اللہ! میرے لئے اپنی محبت کو تمام چیزوں کی محبت سے مرغوب تر کردے اور اپنے ڈر کو میرے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ خوفناک کردیجئے اور اپنی ملاقات کا شوق دیکر دنیا کی تمام حاجتیں مجھ سے قطع کردیجئے اور جب کہ آپ نے اہل دنیا کی آنکھیں ان کی دنیا سے ٹھنڈی کی ہیں تو میری آنکھ کو اپنی عبادت سے ٹھنڈی کردیجئے''۔ (۱۲ص)

تمہید

یہ ایک حدیث ہے ادعیہ(۲) کی احادیث میں سے یعنی کچھ دعائیں احادیث میں آئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے جس کو میں نے پڑھا۔ یہ

(۱) کنز العمال: ۱۸۲/۲ (۲) دعاؤں کے باب میں سے۔

حدیث ''حزب الاعظم'' (۱) کی ہے۔ اس کی سند مجھ کو یاد نہیں، مگر ملا علی قاریؒ نے احادیث ادعیہ (۲) جمع کی ہیں، وہ محدث ہیں، اس میں اکثر احادیث تو مرفوعہ (۳) ہیں عجب نہیں کہ یہ بھی مرفوع ہو، اور بعض موقوف (۴) ہیں مجھ کو تحقیق کا وقت نہیں ملا نہ ضرورت سمجھی کیونکہ صحابہؓ کے مضامین میں بھی حضور ﷺ ہی کے مضامین ہیں گو الفاظ صحابہؓ کے ہیں جیسے حضور ﷺ کے علوم مستفاد ہیں خدا تعالیٰ سے۔

صحابی کے قول کا حکم

خاص کردہ مضمون جو مدرک بالقیاس (۵) نہ ہو کیونکہ وہاں یہ احتمال ہی نہیں ہوسکتا کہ یہ صحابی کی رائے ہے۔ بلکہ حضور ﷺ ہی کا ارشاد سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے ایسی موقوف احادیث مرفوع حکمی کہلاتی ہیں۔ کیونکہ وہ احادیث مرفوعہ کے مماثل ہوتی ہیں۔ خواہ وہ باب احکام سے ہوں یا دوسرے علوم سے کیونکہ حضور ﷺ سے مختلف علوم منقول ہیں۔

غرض جو کچھ بھی ہو حدیث موقوف جو مدرک بالقیاس (۶) نہ ہو حکم مرفوع میں ہوتی ہے۔ یہ دعا جو تلاوت کی گئی ہے اگر مرفوع ہے تب تو فبہا (۷) اور اگر مرفوع نہیں تو مضمون کے عمق (۸) پر نظر کر کے مرفوع حکمی قرار دی جائے گی، بہر حال یہ ہر طرح مرفوع ہے۔

اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا مضمون مدرک بالرائے ہو نہیں سکتا (۹)۔ کیونکہ ہر فن کی رائے اس کے مناسب ہوا کرتی ہے اور یہ مسئلہ جس فن کا ہے اس کا فتویٰ تو یہ ہے کہ خدا کی محبت کے مقابلہ

---

(۱) نام کتاب (۲) دعاؤں کی احادیث کو جمع کیا ہے (۳) حضور ﷺ کا ارشاد (۴) صحابہؓ کا ارشاد (۵) ایسا مضمون جو قیاس سے معلوم نہ کیا جاسکتا ہو (۶) کسی صحابی کا ایسا قول جو قیاس سے معلوم نہ ہو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے (۷) تب تو بہت بہتر (۸) مضمون کی گہرائی پر نظر کر کے اس کو حکماً مرفوع کہا جائے گا (۹) حدیث کا مضمون رائے سے معلوم نہیں ہوسکتا۔

میں کسی چیز کی محبت ذرا بھی نہ ہو۔ پس دوسری چیزوں کی محبت کی بقدرِ ضرورت اجازت دینا۔ جیسا کہ اس حدیث میں حق تعالیٰ کی محبت کو احب الاشیاء (۱) کہنے سے جو دال (۲) ہے دوسری اشیاء کے بھی کسی درجہ میں محبوب ہونے سے معلوم ہوتا ہے محض علم وحی ہے نہ کہ علم رائے (۳)۔ بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر یہ رائے بھی ہو تو چونکہ مدرک بالرائے (۴) میں بھی ہمارے مجتہدین رائے صحابی کو اپنی رائے سے افضل سمجھتے ہیں۔ تب بھی وہ ہمارے واسطے حجت ہی ہے۔

غرض یہ حدیث تینوں حالتوں میں ہمارے واسطے حجت ہوئی گو تینوں حالتوں میں فرق ہوگا مگر مجھ کو اس وقت حجیت کافی ہے کیونکہ یہ کوئی ایسا مضمون اختلافی نہیں۔ میں نے یہ تصریح اس لئے کر دی کہ شاید کسی کو یہ شبہہ ہو کہ اگر یہ حضور ﷺ کا قول نہ ہو تو شاید حجت نہ ہو۔ پس اس کا مضمون نہایت درجہ قابل التفات ہے اس لئے میں نے یہ تمہید عرض کر دی۔

تدابیرِ فلاح

اب دیکھئے کہ وہ مسئلہ کیا ہے اور یہ خدا کا فضل ہے کہ اس حدیث کے معلوم ہونے سے پہلے یہ مضمون ذہن میں بھی آیا تھا۔ لیکن واردات (۵) اس وقت مقبول ہیں جب موافق حدیث وسنت ہو کیونکہ علوم دو قسم کے ہیں، ایک تو استدلالی کہ بعد فکر کے قلب میں آویں ان کا تو موافق دلیل ہونا ظاہر ہی ہے، ایک یہ کہ دفعتاً قلب

---

(۱) تمام چیزوں سے زیادہ محبوب (۲) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری چیزوں کی محبت بھی کسی درجہ میں مطلوب ہے (۳) اپنی رائے سے یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے وحی کی ہو (۴) اگر یہ صحابی کی رائے بھی ہو تو ہماری رائے سے بہر حال بہتر ہے (۵) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر دل میں کوئی بات القاء ہو تو اس کا اعتبار اس وقت ہوگا جب قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔

میں آویں وہ واردات کہلاتے ہیں۔ پس ان کی تطبیق قرآن وسنت سے ضروری ہے۔ پس جب یہ مضمون بطور وارد کے ذہن میں آیا' میں نے قرآن میں دیکھا تو قرآن سے سمجھ میں نہ آیا مگر ایک حدیث کی کتاب میں دیکھا تو یہ حدیث نکلی۔ اب میں بتلاتا ہوں کہ وہ مسئلہ کیا ہے اور کتنا ضروری ہے اور وہ ایسا ہے کہ ہمارے دین و دنیا کی فلاح اس پر موقوف ہے۔ گو ظاہر میں ایک کلمہ ہی ہو' مگر حدیث میں ہے۔ ((کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان))(۱) کہ بعض باتیں زبان پر آسان ہوتی ہیں مگر اس کا ثمرہ وثواب بہت ہوتا ہے اور یہ خوبی ہے علوم شرعیہ کی کہ وہ نہایت سہل(۲) باتیں ہیں اور ثمرہ(۳) ان کا نہایت عجیب ہے اور یہ دلیل ہے ان کے من الحق ہونے کی۔(۴) کیونکہ جو شخص جتنا شفیق ہوتا ہے وہ اپنے متعلق کے لئے تدابیر فلاح ایسی تجویز کرتا ہے کہ نہایت سہل ہوں اور فائدہ بہت ہو۔ مثلاً اگر تجارت میں لگائے گا تو سودا ایسا تجویز کریگا کہ روپیہ کم خرچ ہو اور فائدہ بہت ہو۔ ایسے ہی استاد شفیق ایسی تدابیر بتلادے گا جن پر عمل کرنا سہل ہو اور نفع بہت ہو کہ اگر مثلاً اپنی رائے سے پڑھنا شروع کرتا تو سات برس میں فارغ ہوتا مگر ان تدابیر پر عمل کرنے سے چار یا پانچ ہی سال میں فارغ ہو جائے گا۔

غرض نظائر کہاں تک کہوں سب جانتے ہیں کہ جس پر شفقت زیادہ ہوتی ہے اس کے لئے ایسی تدابیر بتلائی جاتی ہیں جن پر عمل کرنا سہل ہو اور نفع بہت ہو۔ پس چونکہ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں پر سب سے زیادہ شفقت ہے اس لئے تعلیمِ الٰہی وہی ہوسکتی ہے کہ اس پر عمل سہل ہو اور فوائد بہت ہوں۔

---

(۱) دو کلمے ہیں آسان ہیں زبان پر ثقیل ہیں میزان میں (۱۲ص)(۲) آسان (۳) فائدہ(۴) حق کے جانب سے ہونے کی۔

بندوں پر اللہ کی شفقت

چونکہ علوم شریعت کا جیسا کہ مشاہدہ ہے یہی حال ہے کہ باتیں بہت سہل مگر منفعت (۱) کثیر ہوتی ہے۔اس لئے ان کا حق ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ بات اسی کی تعلیم میں ہوسکتی ہے جس کو مخاطبین کے ساتھ سب سے زیادہ شفقت ہو' اب اگر وہ علوم قرآنیہ ہیں تب ظاہر ہے کہ وہ علوم الٰہیہ ہیں اور خدا تعالیٰ سے زیادہ عباد پر کسی کو شفقت نہیں ہوسکتی اور اگر وہ مضامین بظاہر حضور ﷺ کے ہوں (اور بظاہر اس لئے کہا کہ واقع میں تو وہ بھی خدا تعالیٰ ہی کے علوم ہیں) تو حضور ﷺ سے زیادہ بھی دنیا میں کوئی شفیق نہیں ہوا۔ سب سے زیادہ انسان اپنا شفیق ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ دوسرے کے نفع میں بھی اس کو اپنا ہی نفع مدنظر ہوتا ہے۔غرض نفع کا کوئی کام چاہے اپنی ذات کے ساتھ ہو یا دوسرے کے ساتھ' غرض سے خالی نہیں ہوتا تو ایسا نفس جو کہ سب سے زیادہ اپنے لئے شفیق ہے' اس کی نسبت ارشاد ہے: ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (۲) ''کہ نبی ﷺ کو مومنین کے ساتھ ان کے نفوس سے بھی زیادہ تعلق ہے''

اور یہ کوئی شاعرانہ بات نہیں بالکل بجا ارشاد ہے۔ دیکھو نفس تو اتنا اپنا خیر خواہ مگر ہر وقت بدخواہی کرتا ہے' شہوت وغضب و کینہ میں ہر وقت منہمک ہے اور اس کو موجب ہلاکت (۳) بھی سمجھتا ہے' بُری نیت سے کسی کسی کی طرف میلان کرتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ پس آپ نے دیکھ لیا کہ کتنا خیر خواہ ہے یہ صرف نام کا خیر خواہ ہے ورنہ اس سے زیادہ بدخواہ کوئی بھی نہیں۔

---

(۱) باتیں آسان نفع بہت زیادہ (۲) سورۂ احزاب:٦ (۳) شہوت غصہ اور کینہ میں ہر وقت مبتلاء ہے اور اس کو ہلاکت کا باعث بھی سمجھتا ہے۔

نفس کا فریب

شاید کوئی یوں کہنے لگے کہ صاحب یہ کیسی بات ہے کہ نفس جان کر ہلاکت کے کام بھی کرے اور پھر خیر خواہ بھی رہے تو تمہارا پہلا کلیہ بھی غلط ہے کہ نفس اپنا بڑا خیر خواہ ہے تو سنیئے بات یہ ہے کہ نفس کی خیر خواہی میں کوئی شک نہیں۔ خیر خواہی تو اس کی طبعی چیز ہے مگر جب وہ بدخواہی کے کام کرنا چاہتا ہے تو ان کو خیر خواہی کی صورت میں لے آتا ہے مثلاً نفس نے ارادہ کیا کہ مکان کی ضرورت ہے ایک مکان بنانا چاہیئے اور اس میں بہت سی مصلحتیں سمجھتا ہے مگر روپیہ ہاتھ میں موجود نہیں تو اب وہ رشوت ستانی پر کمر باندھتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اندیشہ جہنم (۱) کا ہوتا ہے تو وہ پہلے پہل متردّد (۲) ہوتا ہے کہ کیا کروں مکان کی مصلحتیں رشوت لینے پر مجبور کرتی ہیں اور اندیشہ عذاب اس سے روکتا ہے ایسے وقت میں شیطان آکر اس کو ایک نیا سبق پڑھاتا ہے کہ اللہ بڑا غفور الرحیم ہے یعنی نفس سے کہتا ہے کہ رشوت لینے میں دنیا کا تو نفع ہے اور دین کا نقصان ہے مگر دینی نقصان کی تلافی تو رشوت لینے کے بعد بھی ہوسکتی ہے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے توبہ استغفار کرلیں گے گناہ معاف ہوجاویں گے۔ مگر دنیا کا نفع یعنی مکان کا بننا بغیر رشوت کے نہیں ہوسکتا۔ اگر رشوت نہ لی تو منافع حاصل نہ ہوں گے اور اس نقصان کی بظاہر کوئی تلافی نہیں معلوم ہوتی۔ پس جس نقصان کی تلافی ہوسکتی ہے اس کو گوارا کرکے رشوت لینا چاہیئے۔ پھر خدا تعالیٰ سے معاف کرالیں گے۔

---

(۱) رشوت لینے کی وجہ سے دوزخ میں جانے کا خوف ہے (۲) شروع شروع میں رشوت لینے سے گھبراتا ہے۔

تو صاحبو! آپ نے دیکھ لیا کہ نفس بدخواہی کو کس رنگ آمیزی (۱) کے ساتھ خیر خواہی کی صورت میں لاتا ہے۔

نفس کی مثال

مگر شیطان کے اس سبق کی وہی مثال ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک شخص نے اپنی طوطی کو ''دریں چہ شک'' (۲) سکھلا دیا تھا وہ ہر بات کے جواب میں یہی لفظ کہہ دیا کرتی تھی۔ مگر یہ لفظ ایسا ہے کہ اکثر باتوں کا جواب بھی بن جاتا ہے۔

چنانچہ اس شخص نے طوطی کو یہ لفظ یاد کرادیا اور برسرِ بازار (۳) لاکر دعوی کیا کہ میری طوطی فارسی بولتی ہے' ایک شخص نے اس کا امتحان لیا کئی باتیں اس سے کیں سب کے جواب میں اس نے ''دریں چہ شک'' ہی کہا مگر ان باتوں پر یہ جواب چسپاں تھا (۴)۔ اس نے خوش ہوکر اس کو خرید لیا اور گھر پر لایا اب جو اس سے ادھر ادھر کی باتیں کیں اس نے سب کے جواب میں ''دریں چہ شک'' ہی کہا چاہے کہیں جوڑ لگے یا نہ لگے' آخر اس نے کہا کہ افسوس! میں نے تیرے خریدنے میں بڑی بے وقوفی کی۔ اس نے اس کے جواب میں بھی یہی کہا ''دریں چہ شک'' کہ اس میں کیا شک ہے ایسے ہی ہمارے نفس کو بھی ایک سبق یاد ہے ہر جگہ اسی کو استعمال کرتا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے خواہ وہ کیسا ہی گناہ ہو حق اللہ ہو یا حق العبد (۵)۔

---

(۱) کیسی رنگینی کے ساتھ بھلائی اور خوبی بنا کر پیش کرتا ہے (۲) ''اسمیں کیا شک ہے'' ۱۲ اص (۳) بازار میں کھڑے ہوکر دعویٰ کیا (۴) موزوں تھا (۵) اللہ کا حق ہو یا بندے کا۔

خدا کے غفور الرّحیم ہونے کا مطلب

دوسرے یہ احمق نہیں جانتا کہ غفور الرحیم ہونے کے لئے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ گناہ کا ضرر(۱) نہ ہوگا' اگر غفور الرحیم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے تو پھر جیسے خدا تعالیٰ آخرت میں غفور الرحیم ہیں۔ دنیا میں بھی تو ہیں کیونکہ صفات باری سب قدیم (۲) ہیں پھر سنکھیا(۳) کھانے سے ضرر کیوں ہوتا ہے اگر غفور الرحیم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جو چاہو کرو کچھ ضرر نہ ہوگا۔ سنکھیا کھانے سے بھی کوئی نقصان نہ ہونا چاہیئے۔ مگر ضرر (۴) یقینی ہوتا ہے اور باوجود ضرر ہونے کے خدا تعالیٰ کے غفور الرحیم ہونے میں فرق نہیں آتا۔ تو ایسے ہی آخرت میں بھی خدا غفور الرحیم ہوں گے اور گناہ کا ضرر بھی ہوگا کیونکہ غفور الرحیم ہونے کے لئے ضرر نہ ہونا لازم نہیں۔ خداوند تعالیٰ رحیم اس طرح ہیں کہ تم کو بتلادیا کہ: ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى﴾(۵) ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً﴾(۶)

یہ کتنے بڑے رحم کی بات ہے کہ خود بخود ایک قانون مفید تجویز فرما کر سب کو بتلادیا کہ طریق فلاح و رضاءِ الٰہی یہ ہے۔ ورنہ یہ کام تو خود ہمارے ذمہ تھا کہ رضاءِ مولیٰ کا طریقہ معلوم کرتے۔

دوسرے حق تعالیٰ نے جہاں اپنی رضا(۷) حاصل کرنے کے طریقے بیان فرمائے ہیں۔ وہاں ایسے امور (۸) کی بھی تعلیم دی ہے جن سے امن عام قائم رہے۔ اس کے سوا اور بھی رحیم ہونے کے معنی ہیں جو میں آئندہ بتلاؤں گا۔ اور غفور ہونے کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ بعد سزا کے بخشدیں اگر کہیئے کہ کیسی مغفرت

(۱) نقصان (۲) اللہ کی تمام صفات ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ کے لئے ہیں (۳) زہر کھانے سے (۴) نقصان یقیناً ہوتا ہے (۵) تم نماز کے پاس ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو۔ سورۂ نساء: ۴۳ (۶) اور زنا کے پاس مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے سورۂ بنی اسرائیل: ۳۲ (۷) خوشنودی (۸) ایسی باتوں کی تعلیم بھی دی ہے۔

ہے کہ سزا بھی ہو اور بخشش بھی ان دونوں میں تو منافاۃ ہے (۱)

اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی

تو صاحبو! آپ نے نہ خدا تعالیٰ کی عظمت سمجھی نہ گناہ کی حقیقت معلوم کی۔ تو سمجھو کہ گناہ کہتے ہیں حاکم کی سرکشی کو، اور جس قدر حاکم بڑا ہوتا ہے اسی قدر اس کی سرکشی بھی جرم عظیم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک سرکشی تو یہ ہے کہ حاکمِ ضلع کا کہنا نہ ماننا۔ مگر اس سے بڑھ کر وائسرائے کا کہنا نہ ماننا ایک جرم ہے مگر باپ کا کہنا نہ ماننا اس سے بہت بڑا جرم ہے، غرض سرکشی کی شدت کا مدار اس شخص کی عظمت پر ہوتا ہے جس کی سرکشی کی گئی ہے، ایک مقدمہ تو یہ سمجھ لیجئے اور دوسرا مقدمہ سب کو پہلے سے مسلّم ہے کہ خدا تعالیٰ سے بڑا کوئی حاکم نہیں کیونکہ اور سب کی عظمت محدود ہے اور عظمت الٰہی غیر محدود خارج از وہم و قیاس (۲) ہے۔ تیسرا مقدمہ یہ بھی سب کے نزدیک بدیہی اور مسلّم (۳) ہے کہ سزا بقدرِ گناہ ہوا کرتی ہے۔

عظمتِ الٰہی کا مقتضاء

پس اب سمجھئے کہ جب خدا تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں تو اس کی مخالفت سے بڑھ کر کوئی مخالفت نہیں اور اس کی مخالفت کی سزا سے بڑھ کر کسی کی مخالفت کی سزا نہیں بڑھ سکتی تو جیسا کہ عظمت غیر اللہ محدود (۴) ہے اسی لئے اس کی مخالفت کی سزا بھی محدود ہوتی ہے اور چونکہ عظمتِ الٰہی لامحدود (۵) ہے اس کی مخالفت کی سزا بھی غیر محدود ہونی چاہئے۔

---

(۱) بخشش اور سزا ایک دوسرے کے خلاف ہیں (۲) اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی انسان کے وہم و خیال سے بھی باہر ہے (۳) واضح اور تسلیم شدہ اصول ہے (۴) اللہ کے سوا سب کی بڑائی محدود ہے (۵) اللہ کی عظمت کی کوئی حد و انتہاء نہیں۔

پس اس عقلی قاعدے کا مقتضاء تو یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی صغیرہ گناہ بھی ہو جائے تو چونکہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی ہے اس کی سزا بھی ابدالآباد جہنم ہونی (۲) چاہیئے اور اس کے لئے کبھی مغفرت نہ ہونی چاہیئے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ابدالآباد جہنم سوائے مشرکین و کافرین کے کسی کے واسطے مقرر نہیں فرمائی۔

اللہ پاک کی غایت مغفرت

پس اب اگر حق تعالیٰ کسی گناہ میں دس ہزار و دس لاکھ برس کے بعد بھی چھوڑ دیں تو یہ ان کی مغفرت اور بخشش ہے یا نہیں' یقینی ہے اور ضرور ہے اور دنیا کے قصوں میں ہم اس کو رات دن جانتے ہیں' اگر کوئی شخص دس سال کی جیل کا مستحق ہو اور حاکم اس کو دو برس کے بعد چھوڑ دے یہ اس کا انعام سمجھا جاتا ہے یا نہیں' پس نامحدود عذاب (۳) کی بجائے اگر حق تعالیٰ محدود عذاب دیکر دس ہزار یا دس لاکھ ہزار برس کے بعد بھی نجات عطا فرما دیں تو بھی یقیناً مغفرت ہوگی۔ اب آپ کی سمجھ میں آ گیا کہ غفور ہونے کے لئے سزا نہ دینا ضروری نہیں بلکہ غفور ہونے کے یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ ایک محدود زمانہ تک سزا دے کر رہا کر دیا جاوے اور غفور ہونے کی ایک یہ بھی صورت ہوسکتی ہے کہ گناہ کرتے ہی فوراً سزا نہ دی جائے جس کا ظہور دنیا میں ہوتا ہے۔

اللہ پاک کی انتہائی رحمت

اور اس کی رحمت بھی کہہ سکتے ہیں اب رحیم کے دوسرے معنی بھی سنیئے وہ یہ کہ عرفاً یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جس کی خطا معاف کرتے ہیں اس کے لئے

(۱) ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم اس کی سزا ہونی چاہیئے (۲) ایسا عذاب جس کی کوئی حد وانتہاء نہ ہو اس کے بجائے ایک مقرر و معین وقت تک عذاب دینا پھر چھوڑ دینا یہ بھی مغفرت ہے۔

بڑی بات یہی ہوتی ہے کہ جیل سے رہا کر دیا جائے' اس کے لئے انعام کا کوئی قاعدہ نہیں نہ کوئی مستحق انعام واکرام سمجھے تو حق تعالیٰ کو بھی یہ حق حاصل تھا کہ جہنم سے نکال کر چھوڑ دیتے جس حال میں چاہے رہے خواہ مرے یا جیئے خواہ راحت میں رہے یا تکلیف میں' مگر وہ رحیم بھی ہیں ان کی رحمت کا مقتضاء (۱) یہ ہے کہ وہ جہنم سے نکال کر وہ جگہ دیتے ہیں' جو جنت کے نام سے مشہور ہے' جس میں وہ چیزیں ہیں کہ جن کو نہ آنکھ سے دیکھا نہ کان نے سنا نہ کسی کے دل پر ان کا خطرہ گزرا۔

''فیھا مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ''(۲)

پھر یہ کہ خطا معاف کر کے اس کو اپنا مقرب بناتے ہیں کسی سے ہفتہ وار ملاقات ہوا کریگی کسی سے ماہوار کسی سے سالانہ اور سب سے مقرب وہ شخص ہوگا جس سے دن میں دو مرتبہ صبح و شام ملاقات ہوا کرے گی۔ پھر یہ نہیں کہ آنے والوں کو حکم ہو کہ خود سلام کریں بلکہ حدیث میں ہے کہ سب لوگوں کو ایک باغ میں جمع کیا جائے گا اور حق تعالیٰ ان پر متجلی ہوں گے اور پہلے خود فرمائیں گے السلام علیکم۔ پس ان کی نظیر کوئی پیش کرسکتا ہے کہ خطا اور گنہگار کے ساتھ اس قدر انعام کیا جاتا ہو۔

''السلام علیکم'' کی عظمت

یہاں سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ السلام علیکم کی کیا عظمت ہے کہ حق تعالیٰ بھی بندوں کو اسی کے ساتھ خطاب فرمائیں گے۔

اب ہمارے بھائیوں نے کورنشات اور آداب نکالے ہیں اور سلام کو

(۱) اللہ کی رحمت کا تقاضا یہ ہے (۲) ''جنت میں ایسی چیزیں ہیں کہ ان کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کانوں نے سنا نہ کسی کے دل پر ان کا خطرہ گزرا'' (۱۲ص) مسند ابن ابی شیبہ: ۱/۱۰۰۔

ترک کردیا ہے اور پُورب میں تو بندگی کہتے ہیں۔ دراصل یہ متکبر بادشاہوں نے ہندوؤں کے لئے مقرر کیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ بتوں کو یہ پوجتے (۱) ہیں درختوں کو یہ پوجتے ہیں تو ہم کو کیوں نہ پوجیں۔ ایک مؤرخ کہتے تھے کہ ان کو یہ حکم کیا تھا کہ جب ہمارے دربار میں آؤ تو زمین پر سر رکھ کر لفظ بندگی کہو(۲)۔ مگر یہ شائع ہوگیا' اب مسلمان بھی بندگی کہتے ہیں بلکہ عورتیں بھی کہتی ہیں اور بعض ہندوؤں کو بندگی کرتے ہیں۔ کتنا سخت کلمہ ہے معاذ اللہ۔

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بندگی کے جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ صاحب کو یعنی جو بندگی کا اہل ہے اس کی بندگی کرو(۳)۔ مولانا کے لطیفے ایسے ہوتے تھے کہ کوئی بڑا ذی فہم ہی سمجھتا تھا۔ بعض بات صاف کم ہوتی تھی اور مولانا شہید علیہ الرحمۃ شمشیر برہنہ تھے۔ ان کی بدنامی تو بہت ہوئی مگر وہ بادل ہٹ گیا' اور آفتاب دین نکل آیا' خیر ہر بزرگ کی اپنی اپنی رائے ہے مگر اس وقت مولانا شہیدؒ ہی کی رائے پر عمل کرنا مناسب ہے کیونکہ حضرت شاہ صاحب کا زمانہ وہ تھا کہ عوام کے خلاف کوئی بات صاف صاف کہنے میں جان کا خطرہ تھا۔ اور بحمداللہ یہ بات نہیں ہے کہ الفاظ خشن اور سخت نہ ہوں۔

نصیحت کے طریقے

کیونکہ نصیحت کے تین طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ لفظ نرم ہوں اور بات گول ہو۔ دوسرے یہ کہ الفاظ سخت ہو اور بات صاف ہو' تیسرے یہ کہ لفظ نرم ہوں اور بات صاف ہو' یہی قرآن کا طرز ہے اور اسی کا حکم ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

(۱) بتوں کی عبادت کرتے ہیں (۲) یعنی ہم آپ کے بندے ہیں (۳) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بندگی ہے نہ کہ تمہارے لئے۔

﴿فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ﴾ (۱) کہ جو تم کو حکم ہے اس کو صاف صاف کہو گول نہ رکھو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى﴾ (۲) ''کہ اے ہارون موسیٰ علیہما السلام فرعون سے بات نرم کہو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے اور ڈر جائے'' اور فرماتے ہیں: ﴿وَقُلۡ لِّعِبَادِیۡ يَقُوۡلُوا الَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ﴾ (۳) ''کہ میرے بندوں سے فرمادیجئے کہ بات عمدہ کہا کریں''

غرض مولانا کا جواب پہلے طرز پر تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ عوام گھبراویں نہیں اب جو بہت ہی ضعیف ہو۔ وہ بندگی کے جواب میں صاحب کو یا جناب وغیرہ کہہ دیا کریں۔ مگر ہمت کی بات یہ ہے کہ اس کو فوراً منع کردے کہ بندگی کیا ہوتی ہے۔ سیدھا السلام علیکم کیوں نہیں کہا جاتا۔

نفس کے دھوکے کی حقیقت

غرض یہ مضمون لفظ سلام کی مناسبت سے بیان ہوگیا تو آپ نے دیکھا کہ حق تعالیٰ کیسے کیسے انعامات فرمائیں گے کہ خود اپنے بندوں کو سلام فرمائیں گے پھر یہ نہیں کہ ان کو بلاویں گے بلکہ خود ان کے پاس تشریف لاکر متجلی ہوں گے اس وقت وہ حال ہوگا کہ سب زبان حال سے کہتے ہوں گے۔

ع　امروز شاہِ شاہاں مہمان شد است مارا (۴)

تو دیکھئے خدا تعالیٰ کی رحمت کے معنی سمجھ میں آگئے۔ اب اس تفسیر کے بعد معلوم ہوا ہوگا کہ رحمت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سزا ہی نہ ہو۔ تو یہ نفس کا بڑا

---

(۱) سورۂ حجر: ۹۵ (۲) سورۂ طٰہ: ۴۴ (۳) سورۂ بنی اسرائیل: ۵۳ (۴) ''آج بادشاہوں کا بادشاہ ہمارا مہمان ہوا ہے'' (۱۲ص)۔

دھوکہ ہے کہ حق تعالیٰ کے غفور الرحیم ہونے سے یہ سمجھتا ہے کہ گناہ کی سزا ہی نہ ہوگی۔اسی کو کہتے ہیں:" کلمة الحق ارید بها الباطل "(۱)

اسی لئے میں کہتا تھا کہ نفس خیر خواہی کے پردے میں بدخواہی (۲) کرتا ہے چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ کے غفور الرحیم ہونے کے کیا معنی سمجھ گیا اور اس کے بعد گناہ پر دلیر ہوگیا جو سراسر بدخواہی ہے تو نفس کا علاقہ تو معلوم ہوگیا جو سب سے زیادہ خیر خواہ مانا جاتا ہے۔

اُمّت پر حضور ﷺ کی شفقت

اب جناب رسول مقبول ﷺ کی شفقت کا اندازہ کیجئے حضور ﷺ کو ہماری مضرت (۳) کبھی گوارا نہیں ہوئی اور گوارا تو کیا فرماتے بلکہ ہماری کلفت حضور ﷺ پر خود بہت گراں تھی۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ (۴) "یعنی شاق علیه عنتکم" کہ تمہاری کلفت ان پر بہت شاق ہے خواہ کسی قسم کی کلفت ہو دینی ہو یا دنیوی۔ چنانچہ آپ کے واقعاتِ زندگی کے معلوم کرنے سے یہ بات واضح ہوسکتی ہے۔ایک مرتبہ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری امّت کو قحطِ عام سے ہلاک نہ فرمایئے گا یہ دعا قبول ہوئی۔ دوسری دعا فرمائی کہ کوئی ایسا دشمن ان پر نہ مسلّط ہو جو ان کا استیصال (۵) کردے۔ یہ دعا بھی قبول ہوئی' تیسری دعا فرمائی کہ ان میں نااتفاقی نہ ہو اس کا اثر دین پر بہت بُرا ہے۔

---

(۱) یعنی یہ کلمۂ حق ہے اس سے مراد باطل لی گئی (۲) بھلائی کے پردے میں بُرائی کرتا ہے (۳) ہمارا نقصان (۴) سورۂ توبہ:۱۲۸ (۵) ان کو جڑ سے مٹادے۔

جنگ ہفتاد و دوملت ہمہ را عذر بنہ

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند (۱)

کہ اکثر اختلاف حقیقت نہ جاننے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ آج کل مشاہد (۲) ہے مگر یہ دعا بارگاہِ خداوندی میں قبول نہ ہوئی۔ پس آپ کو معلوم ہوگیا کہ حضور ﷺ کو ہماری ہر قسم کی کلفت سے پریشانی ہوتی تھی۔ آپ یوں چاہتے تھے کہ میری امّت ہر طرح آرام میں رہے' آخرت میں بھی دنیا میں بھی۔

نزاعِ مذہبی

اس اختلاف پر مجھے ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر یاد آتی ہے وہ یہ کہ اس وقت اکثر تعلیم یافتہ لوگ یہ رائے دیتے ہیں کہ مولوی سب باہم متفق ہوجائیں تو یہ ہمارا باہمی نزاع دور ہوجائے۔ سب اختلاف کی جڑ وہ نزاع مذہبی ہے (۳) جو آج کل مولویوں میں ہورہا ہے۔ واقعی یہ ایک قیمتی رائے ہے۔

اختلاف کو دور کرنے کا طریقہ

مگر اس میں ایک دھوکہ ان صاحبوں کو ہورہا ہے' جس کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں مگر اول اس کی ایک نظیر پیش کرتا ہوں کیونکہ آج کل بدوں (۴) اس کے لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔ اس وقت یہ بات سب کو مسلّم ہے کہ اہل یورپ آج کل سب سے زیادہ متمدن ہیں' بالخصوص انگریز نیز دنیاوی امور میں ان کی عقل وفہم سب سے

---

(۱) ''تمام بہتر فرقوں کو جنگ واختلاف میں معذور جانو' جب ان کو حقیقت کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے اپنے مذہب کا مدار قصوں اور افسانوں پر رکھا'' (۲) آج کل صاف نظر آتا ہے (۳) تمام اختلافات کی جڑ مذہبی اختلاف ہے (۴) بغیر مثال کے لوگ سمجھتے نہیں۔

زیادہ حجت سمجھی جاتی ہے ان کا ایک قانون ہے کہ جب کوئی عدالت میں جا کر نالش(۱) کرے تو حاکم کو اس کی تنقیح کرنی چاہیئے (۲)۔ شہادت اور ثبوت طلب کرے اور وکلاءِ طرفین میں گفتگو ہو اور اخیر تک حاکم سب کی گفتگو سنتا ہے پھر اپنی رائے کے موافق کسی ایک کو ترجیح دیکر ڈگری دیتا ہے اور اس درمیان میں ظاہر ہے کہ ہر ایک وکیل اپنے مؤکل کو غالب کرنے کی کوشش کرتا ہے اور طرفین میں اچھی طرح مباحثہ قائم ہو جاتا ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کوئی تعلیم یافتہ اس طریقۂ تنقیح (۳) میں اس حاکم کو ظالم کہے گا؟ ہرگز نہیں' بلکہ ہر ایک شخص اس کو عدل کے موافق سمجھتا ہے پس اگر نا اتفاقی بُری چیز ہے تو ان وکلاء طرفین کو کیوں نہیں ملامت کی جاتی اور سب سے زیادہ اس حاکم کو ملامت کرنی چاہیئے۔ جس نے اپنی کچہری میں یہ نزاع اور بحث قائم ہونے دی۔ اور اسی پر اپنے فیصلہ کی بنیاد ڈالی۔ مگر جب اس منازعت کو قابلِ ملامت نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اس کو عین عدل کہا جاتا ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ منازعت اور نا اتفاق (۴) مطلقاً بُری نہیں۔ بلکہ طریقہ یہ ہے کہ اول معاملہ کی تنقیح کی جاتی ہے اور قبل تنقیح کے دونوں میں سے کسی کو ملامت نہیں کی جا سکتی اور تنقیح کے بعد جو حق پر معلوم ہو اس کا ساتھ دو اور جو ناحق پر ہو اس کو ملامت کرو یہ کیا کہ دونوں کو ملامت کی جاتی ہے اور دونوں کو اس اختلاف کو چھڑانے اور اتفاق کر لینے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ہر معاملہ میں اتفاق ممکن نہیں ہوا کرتا۔ اگر حاکم بھی ایسا کرے کہ دونوں فریق کو ملامت کرنے لگے تو کیسے ہو۔ مگر دنیاوی معاملات میں یہ تو تعلیم یافتہ بھی اس قاعدہ پر عمل نہیں کرتے۔ اور ہمیشہ

---

(۱) کسی کے خلاف مقدمہ دائر کرے (۲) اس کی تحقیق کرنی چاہیئے (۳) اس طریقہ تحقیق میں (۴) جھگڑا کرنا اور اتفاق نہ کرنا مطلقاً برا نہیں ہے۔

ایک فریق کا جو حق پر معلوم ہو ساتھ دیا کرتے ہیں۔ پھر دین کے بارے میں یہ قاعدہ کیوں نہیں برتا جاتا۔

دو فرقوں میں اپنے عقائد پر قائم رہتے ہوئے اتفاق ممکن نہیں

اس سے ایک راز معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے دلوں میں دین کی وقعت وعظمت کوئی چیز نہیں اس لئے اس کی کچھ فکر بھی نہیں، میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر حاکم کے برابر بھی ان کے نزدیک مذہب کی ضرورت ہوتی تو یہ ہمیشہ صاحبِ حق کی مدد کرتے یہ کیا کہ زید کو بھی ملامت عمرو کو بھی اس کو اتفاق کی ترغیب اس کو بھی، آخر کس بات میں دونوں متفق ہوں کس بات کو قبول کریں اگر کوئی ایسی بات ہو جس میں اتفاق ہو سکے تو خیر جب اعتقاد کا اختلاف ہے کہ ایک فریق حضرت علیؓ کو نبی سمجھتا ہے۔ دوسرا فریق ایسا نہیں سمجھتا ہے۔ ایک فریق ابو حنیفہؒ کو فقیہہ و مجتہد سمجھتا دوسرا ان کو مخالف خدا و رسول جانتا ہے تو اب بتلاؤ اتفاق کی کیا صورت ہے، دونوں کے عقائد میں تضاد(۱) ہے اب سوا اس کے کہ ایک فریق اپنا عقیدہ بدلے اس کے سوا کوئی صورتِ اتفاق نہیں، اپنے اپنے عقیدہ پر قائم رہ کر اتفاق ہرگز متصور نہیں، البتہ اگر مذہب وعقیدہ کوئی ضروری چیز نہ ہو تو پھر واقعی ہو سکتا ہے مگر اس کو بجز ان نو تعلیم یافتہ حضرات کے کوئی عاقل بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اور زبان سے تو یہ بھی تعلیم نہیں کر سکتے اگرچہ دلوں میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ دوسرے اس طریقہ پر دنیاوی امور میں بھی عمل نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک شخص نے مجلس میں ایک بات نکالی تو اس میں بھی دو چار اختلاف کرنے والے ہو جاویں گے۔

---

(۱) دونوں کے عقائد ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔

اب اگر ان دونوں فریق کو ملامت کی جائے اور اتفاق کی ترغیب دی جائے تو سوقیامتیں آجائیں گی۔ مگر اتفاق ناممکن ہوگا، پس آپ کا طریقہ تو ایسا ناتمام ہے کہ نہ دین میں کار آمد نہ دنیا میں۔

اتفاق کی حقیقت اور طریقہ

میں اب بتلاتا ہوں کہ اتفاق کیونکر ہو، پہلے آپ خود تحقیق کیجئے کہ صورت معاملہ کیا ہے۔ پھر جو حق بجانب ہو اس کا ساتھ دیجئے اور دوسرے کو ملامت کیجئے اور پہلے کا تابع بنایئے۔ یہ جو دونوں کو ملامت کی جاتی ہے سخت غلطی ہے اس زمانہ کے نوجوان کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ وہ اتفاق کو محمود اور اختلاف کو مذموم سمجھ کر علماء کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ آپس میں اتفاق کرلو، پس ان کی اتنی بات تو قابل تسلیم ہے کہ واقعی نزاع و اختلاف بُری چیز ہے اس کے زائل کرنے کا جو طریقہ بتلایا جاتا ہے کہ دونوں کو ملامت کر کے اتفاق کی دونوں کو ترغیب دی جاتی ہے یہ بالکل سراسر عقل کے اور فطرت کے خلاف ہے، کیونکہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ صاحبِ باطل کچھ صاحبِ حق کا اتباع کرے اور صاحبِ حق کچھ صاحب باطل کا اتباع کرے کہ پہلے ایک فریق خالص حق پر تھا تو اب وہ بھی باطل کا پیرو ہو جائے اس کو فطرتِ انسانیہ کبھی تسلیم نہیں کرسکتی۔ عجب بات ہے کہ یہ لوگ خلافِ فطرت کی تعلیم کو ہمیشہ ناقابلِ اشاعت سمجھتے ہیں اور سب سے زیادہ مدعی فطرت ہیں۔ مگر دین میں نہ معلوم وہ فطرت کیا ہو جاتی ہے۔ جو خود خلاف فطرت کی تعلیم دیتے ہیں۔

تعلیمِ نبوی ﷺ

غرض دین پر نااتفاقی کا بہت زیادہ بُرا اثر پڑتا ہے، جہاں حضور ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی دنیاوی منافع کے لئے بھی دعا فرمائی، ہمارے دین کے خیر خواہ تو حضور ہیں ہی دنیا کے بھی خیر خواہ ہیں، جب حضور ﷺ کا اتنا بڑا علاقہ ہے تو آپ سے زیادہ شفیق کون ہوسکتا ہے اور شفقت کا مقتضاء جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا یہ ہوتا ہے کہ جو تعلیم دی جائے سہل ہو اور اس میں منافع بہت زیادہ ہوں۔ پس چاہے کلامِ خدا ہو یا کلامِ رسول ﷺ دونوں کی تعلیم میں سہولت اور کثرتِ منفعت ضرور ہوگی۔ کیونکہ دونوں کو مخلوق سے بہت زیادہ شفقت ہے کہ مخلوق کو بھی اپنے ساتھ اتنی نہیں گو آپس میں اور خدا و رسول ﷺ کی شفقت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔

یارب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم(۱)

اس پر ایک لطیفہ یاد آگیا کہ نواب صاحب ڈھاکہ نے یہ مہر کھدوائی۔ محمد سلیم اللہ اور اس پر یہ مصرعہ لکھوایا ؎

''صد شکر کر ہستیم میاں دو کریم''

تو خداوند جل وعلیٰ کی عنایتیں دیکھئے کہ خدا تو سب کے حق میں کریم ہے اور رسول ﷺ ہم کو ایسا کریم عطا ہوا، بہر حال جب اللہ و رسول ﷺ کی یہ شفقت ہے تو شریعت میں ہم کو وہ باتیں بتلائی گئی ہیں جو نہایت سہل ہیں اور منافع بہت ہیں۔

''اے اللہ آپ بھی کریم اور آپ کے رسول ﷺ بھی کریم ہیں ہزاروں شکر کہ ہم دو کریموں کے درمیان ہیں''۔

یہ بات بھی ایسی ہی ہے جو میں اس وقت بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ بعض چیزوں پر جو میری نظر پڑی تو یہ سمجھ میں آیا کہ یہ چیز کسی کی ضرور کہلاتی ہوگی۔ پھر یہ ایک دن فنا ہو جائے گی' اس کے مالک کو کیسی کلفت (۱) ہوگی۔

نسبت مع غیر اللہ کا اثر

پھر یہ علم عظیم عطا ہوا کہ دنیا میں جو کلفت ہوتی ہے وہ نسبت مع غیر اللہ (۲) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ خواہ کیسی ہی کلفت ہو تشریعی ہو یا تکوینی یعنی دینی ہو یا دنیوی یعنی کسی کے مرنے کا غم ہو یا کسی گناہ کی سزا میں آخرت کی کلفت ہو۔ غرض خواہ کلفتِ دنیا ہو یا کلفتِ آخرت اس کی وجہ صرف یہی ہوگی اس کو علاقہ (۳) ہے کسی غیر اللہ کے ساتھ اور اس میں جتنا غور کریں گے۔ یہ فصل اتنی بڑھے گی کہ آپ شاید اس کا احاطہ (۴) بھی نہ کرسکیں۔ مثلاً ایک شخص کو پریشانی ہوئی اس لئے کہ وہ کسی سے محبت رکھتا ہے' اب دو قسم کی پریشانی ہوتی ہے ملنے سے بھی اور نہ ملنے سے بھی' نہ ملنے کی پریشانی تو ظاہر ہے اور ملنے سے اس لئے پریشانی ہوتی ہے کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ نہ معلوم کب جدا ہو جائے گا۔

نہ آیا وصل میں بھی چین ہم کو
گھٹا کی رات اور حسرت بڑھا کر

اسی طرح پھر محبوب کے ساتھ اندیشۂ مفارقت (۵) ضرور ہوتا ہے خواہ اس کے جدا ہونے یا اپنے جدا ہونے کا مثلاً ہم زندہ ہیں اور مال جاتا رہا یا اولاد جاتی رہی' ایسے بہت دیکھے ہیں کہ لاکھوں کے آدمی تھے اور پیسوں پر اتر آئے (۶) اور ایسے بھی بہت ہیں کہ چھ پیسے کے مزدور تھے اور لاکھوں کے ہو گئے۔

---

(۱) کیسی پریشانی ہوگی (۲) غیر اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے (۳) تعلق ہے (۴) اس باب میں اتنی تفصیلات آجائیں گی کہ جن کو پورے طور پر بیان کرنا ممکن نہ ہوگا (۵) جدائی کا خوف (۶) محتاج ہو گئے۔

حُبِّ مال کا انجام

ایک سقّہ کو کانپور میں دیکھا کہ وہ ۸عہ ماہوار کماتا تھا اور پہلے بوجہ غایت امارت اس کو لوگ نواب کہتے تھے، مگر بیوی کی طرف سے یعنی اس نے کسی بیگم سے نکاح کرلیا تھا اور نکاح اس لئے ہوگیا کہ وہ امیر بہت بڑا تھا، اس کی وجہ سے نواب مشہور ہوگیا اور دنیا میں ایسی لاکھوں نظیریں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہرا بھرا باغ چھوڑ کر ہم خود چلدیں، تو جن کو تعلق نہیں ہوگا وہ تو جاتے ہوئے نہیں مچلتے مگر جن کو تعلق ہوتا ہے وہ بہت مچلتے ہیں اور ان کی بڑی مصیبت سے جان نکلتی ہے۔ یہیں کا ایک قصہ حکیم کرامت علی صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک شخص پر نزع کی حالت طاری تھی، مگر وہ ایک کوٹھری کی طرف بار بار دیکھتا تھا، الٰہی توبہ ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ﴾(۱) اس آیت میں حق تعالیٰ کفار کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ کو ان کے مال و اولاد بھلے نہ معلوم ہونے چاہئیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کو ان کے اموال و اولاد سے دنیا ہی میں عذاب دیں اور پھر ان کی جانیں کافر ہو کے نکلیں، وہ دنیا کا عذاب یہی تو ہے جو مرتے وقت ان کو ہوتا ہے اور یہ حکایت بھی کافر کی ہے ورنہ مسلمان تو اکثر ہنسی خوشی دنیا سے جاتے ہیں۔

متقی کی حالت موت

یہیں قصبہ میں ایک مسلمان بڑی بی تھیں ان کا ایک بیٹا مدت دراز سے غائب تھا جس کو وہ بہت یاد کرتی تھیں اور روتی تھیں جب وہ مرنے لگیں تو بے وقوف عورتوں نے کہا کہ وہ بیٹا بھی یاد آتا ہے انہوں نے کہا میرے سامنے کسی کا

(۱) سورۃ توبہ: ۵۵۔

نام مت لو مجھ کو کوئی یاد نہیں آتا۔ ان کے مرنے کے بعد منجھلے بیٹے نے ان کو خواب میں دیکھا کیفیت موت کی پوچھی کہنے لگیں کہ مجھ کو تو کچھ تکلیف نہیں ہوئی ۔ میں نے تو صرف رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیکھا آپ ﷺ فرماتے ہیں چل بس میں ہمراہ چلی گئی، رہی یہ بات کہ حضور تو وفات پا چکے آپ اس وقت کیسے تشریف لائے تو بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کے معجزات بعد وفات بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ معجزہ خرقِ عادت ہے اس لئے کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔

قبر میں حضور ﷺ کی زیارت

بعض علماء نے قبر کے اندر بھی حضور ﷺ کے دیدار کو ایک حدیث سے ثابت کیا ہے کہ نکیرین حضور ﷺ کے بارے میں میت سے سوال فرمائیں گے۔ (ما تقول فی ھذا الرجل) ''کہ یہ کون صاحب ہیں'' تو لفظ ہذا سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ میت کو قبر میں حضور ﷺ کا دیدار حاصل ہوگا۔ (انا عند ظن عبدی بی)(۱) ان شاء اللہ کیا عجب ہے کہ جن حضرات کا ایسا خیال ہے کہ ان کو زیارت نبوی قبر میں ہو جائے۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے سامنے بھی یہی تذکرہ ہوا تھا تو آپ نے اس کے راز میں فرمایا۔

کشتے کہ عشق دارد نہ گذاردت بدیں ساں
بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد (۲)

اور فرمایا کہ حق تو یہ تھا کہ ہم سب حضور ﷺ کے سامنے مرتے اور حضور ﷺ

(۱) میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں ۱۲ص (۲) ''وہ کشش جو عشق رکھتا ہے تم کو اس روش میں نہ چھوڑے گا۔ اگر جنازہ میں نہ آئے تو مزار پر تم ضرور آؤ گے'' ۱۲ محمد صابر غفرلہ۔

ہمارے جنازے کی نماز پڑھاتے مگر یہ نصیب نہ ہوا تو مزار پر تو تشریف لاویں ہی گے اور اگر اس بڑھیا کا قصہ ملالیا جائے تو بجنازہ ہم بیائی (۱) بھی ہے۔ مگر خدا کے لئے اس سے حضور ﷺ کو حاضر و ناظر اور ہر جگہ موجود نہ سمجھ لیا جائے کیونکہ یہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ معجزہ خرق عادت ہے اس لئے اس کے لئے ہمیشہ ہونا ضروری نہیں۔ غرض مسلمان کی نسبت مع غیر اللہ تو موت کے وقت اکثر منقطع ہو جاتی ہے۔

اتصالِ قوی

اس پر کوئی یہ شبہہ نہ کرے کہ جب مسلمان کی نسبت مع غیر اللہ خود منقطع ہو جاتی (۲) ہے تو سارے وعظ و نصیحت بیکار ہیں۔ صاحب بیکار نہیں ہیں کیونکہ جس نے پہلے تعلقات قطع نہیں کئے جب اس کا یہ حال ہے تو جو پہلے سے تمام تعلقات قطع کر چکا وہ کیسا کچھ ہوگا۔ یعنی جس کے تعلقات مع غیر اللہ پہلے سے منقطع نہ ہوں اس کا انقطاع ضعیف ہوگا اور خدا تعالیٰ سے اتصال (۳) بھی ضعیف ہوگا اور جس کے پہلے تمام علائق منقطع ہو چکے ہیں اس کا انقطاع کامل ہے تو خدا تعالیٰ سے اتصال بھی کامل ہوگا تو یہ کتنا بڑا نفع اس شخص کو حاصل ہوا جو دوسروں کو میسر نہیں۔ بتلاؤ محبوب سے اتصالِ قوی مطلوب ہوتا ہے یا اتصال ضعیف؟ کتنا بڑا فرق ہے ان دو شخصوں میں جن میں سے ایک کو محبوب سے صرف مصافحہ کرنا نصیب ہوا اور دوسرا بغلگیر ہو کر ملا، جب انقطاعِ ضعیف سے بھی اتصال ہو جاتا ہے تو انقطاعِ قوی سے کیا کچھ نہ ہوگا۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گر باشد ندانم چوں کند

"گرد آلود گھونٹ جب مجنوں کر دیتا ہے، اگر صاف ہو تو نہ معلوم کیا کرے"

---

(۱) "جنازے میں بھی تم آؤ گے" بھی ہے (۲) اللہ کے علاوہ سب سے تعلق ختم ہو جاتا ہے تو (۳) ملاپ۔

جب انقطاع ناتمام بھی مفید ہوگیا تو انقطاعِ تام بہت زیادہ نفع بخش (۱) ہوگا۔ غرض وعظ و پند (۲) بیکار نہیں۔ حاصل یہ کہ نسبت مع غیر اللہ کا یہ اثر ہے کہ جتنا تعلق ہوگا اسی قدر زیادہ کلفت و پریشانی ہوگی۔ بلکہ بعض مرتبہ تو اس کی بدولت بے ایمان ہوکر مرتا ہے کیونکہ محبوب سے جو چھڑاتا ہے وہ مبغوض (۳) ہوتا ہے اور دنیا سے حق تعالیٰ چھڑاتے ہیں تو نعوذ باللہ ایسے عاشق ماسوا کو خدا تعالیٰ سے بغض ہوگا ایسے بہت سے واقعات ہوئے ہیں۔

غیر اللہ سے تعلق بڑھانے کا نقصان

الدوائے والکافی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص کسی پر عاشق ہوگیا تھا حتیٰ کہ مرنے لگا کسی نے جاکر محبوب سے کہا اس کو رحم آگیا۔ اس کے پاس آنے کے ارادے سے تھوڑی دیر چلا۔ آدھے رستے سے لوٹ آیا۔ جب آنے لگا تو عاشق اس کی خبر سن کر اٹھ بیٹھا۔ پھر جب لوٹ جانے کی خبر سنی گر پڑا اور یہ شعر پڑھا۔

رضاك اشهى الى فوادى من رحمة الخالق الجليل (۴)

لوگوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ سے ڈر کیا بکتا ہے' کہنے لگا کہ اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا' آخر بے ایمان ہوکر مرا لوگوں کو کچھ خبر نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں' جس قدر غیر اللہ سے تعلق بڑھاتے ہیں اپنے حق میں کانٹے بوتے ہیں۔

---

(۱) جب مخلوق سے نامکمل قطع تعلق مفید ہوا تو مکمل قطع تعلق کتنا زیادہ فائدہ مند ہوگا (۲) وعظ ونصیحت (۳) دشمن (۴) ''میرے دل کی طرف تیری رضامندی اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے زیادہ مرغوب و پسندیدہ ہے'' ۱۲ اص۔

انواعِ محبت

صاحبو! اپنے دل میں کسی کو جگہ نہ دو نہ کسی مال کو نہ اولاد کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾(۱)

یعنی اگر یہ دنیا کی چیزیں خدا اور رسول ﷺ سے زیادہ تم کو محبوب ہیں تو ہمارے حکم ثانی کے منتظر رہو کہ ہم کیا حکم کرتے ہیں۔ تو حضرت غیر اللہ کے ساتھ دل لگانا بڑی سخت بات ہے اور اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ بیوی بچوں سے محبت نہ کرو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی سے محبت نہ کرو۔ پس اگر تھوڑی سی محبت ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ جب لقاء اللہ (۲) کا وقت آئے گا یہ تھوڑی محبت زائل ہو جائے گی اور تھوڑی محبت اتنی ہونی چاہئے کہ حقوق بسہولت ادا ہوسکیں کیونکہ بدوں قدرے محبت کے حقوق ادا نہیں ہو سکتے اور ایسے ہی اگر بیوی سے محبت نہ ہو تو ہمبستری کا جو کہ ایک گندے محل سے متعلق ہے کبھی قصد نہ کرے گا۔ اور اگر کرے گا بھی تو اس فعل پر قادر نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ فعل تو اس پر موقوف ہے کہ وہ کیفیت خاصہ پیدا ہوں اور وہ کیفیت بدوں میلان و محبت کے پیدا نہیں ہوسکتیں۔ چونکہ محبتِ مخلوق میں بعض حکمتیں تھیں۔ اس لئے قدرے اس کی اجازت دی بشرطیکہ خدا تعالیٰ کی محبت دل میں سب سے زیادہ ہو۔

---

(۱) آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں۔ سورۂ توبہ: ۲۴ (۲) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وقت آئے گا۔

اشکال کا جواب

اگر کوئی کہے کہ جتنی محبت بیوی سے ہوتی ہے اکثر آدمیوں کو اس قدر تو خدا سے نہیں ہوتی۔ کیونکہ جس وقت بیوی کی طرف رغبت ہوتی ہے اس وقت خدا تعالیٰ سے دل غافل ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی محبت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ تو یہ سب کے سب ناقص الایمان ہوئے' میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس وقت کلمہ کفر کہدے تو یہی شخص جو اس وقت اس پر فریفتہ اور مست تھا اس کے قتل پر آمادہ ہو جائے معلوم ہوا کہ بیوی کی طرف سے میلان کے وقت بھی خدا تعالیٰ کی محبت مسلمانوں کے دل میں باقی رہتی ہے۔ لوگوں کو دھوکہ اس سے ہوا کہ بیوی کی محبت میں تو مستی ہوتی ہے اور خدا کی محبت میں یہ مستی نہیں ہوتی' اس سے یہ سمجھا کہ بیوی کی محبت خدا تعالیٰ سے زیادہ ہے' حالانکہ محبت کی انواع مختلف ہیں کسی میں مستی ہوتی ہے اور کسی میں نہیں' مثلاً سب جانتے ہیں کہ ہر شخص کو سب سے زیادہ اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے مگر کبھی کسی کو بیٹے پر مستی کرتے نہیں دیکھا گیا اور ایک کسبی پر اکثر لوگ مست ہو جاتے ہیں تو کیا یہ کہیں گے کہ اولاد کی محبت سے یہ محبت زیادہ ہے کبھی نہیں مگر یہ نوع ہی جدا ہے۔

نعمتِ عقل

دوسرے عام لوگ مستی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں لیکن اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو یہ کوئی چیز بھی نہیں کیونکہ مستی نام ہے عقل کے مغلوب ہو جانے کا اور یہ کوئی محمود شئے نہیں ایک فقیر سے میرے سامنے کسی نے سوال کیا کہ مجذوب افضل ہے یا سالک؟ تو اس نے جواب دیا کہ عقل کے مغلوب ہو جانے کی خرابی کی وجہ سے حق

تعالیٰ نے شراب کو حرام کیا تو معلوم ہوا کہ عقل کا مغلوب ہونا اتنی بُری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے شراب اتنی پلید اور ناپاک ہوگئی تو اب تم فیصلہ خود کرلو کہ افضل مجذوب ہے یا سالک۔ ظاہر ہے کہ جس کی عقل غالب ہو وہ ہی افضل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سیدنا رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ جب دو فرشتے منکر و نکیر قبر میں کڑکتے وگرجتے آویں گے تو کیا حال ہوگا۔ آپ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس وقت ہم کو عقل بھی ہوگی یا نہیں؟۔ فرمایا تم اس وقت دنیا سے بھی زیادہ عاقل ہوگے، تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ پھر کچھ خوف نہیں۔ کسی نے خوب کہا۔

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست
گویم آنکس ربود ایں دل دیوانہ ما(۱)

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی حکایت ہے کہ کسی کو مکشوف ہوا کہ جب آپ کی وفات ہوگئی اور قبر میں مدفون ہوئیں تو فرشتوں نے پوچھا کہ من ربك؟ (۲) آپ نے فرمایا کہ ابھی تو میں دو گز ہی زمین کے نیچے آئی ہوں کیا اتنی دیر میں اپنے خدا تعالیٰ کو بھول جاؤں گی۔ غرض عقل بڑی بھاری نعمت ہے تو مستی اور سکر وغیرہ کوئی کمال نہیں۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کو ایسا وجد جس میں کود پھاند (۳) ہو اور عقل مغلوب ہو جائے نہ ہوتا تھا۔

---

(۱) اگر نکیر آئیں اور دریافت کریں کہ تیرا رب کون ہے؟ تو جواب دوں گا وہ ہے جس نے ہمارے اس دل دیوانہ کو چھین لیا ہے ۱۲ص (۲) تیرا رب کون ہے؟ (۳) اچھل کود ہو۔

سکر و وجد

مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ جن کو سکر وجد(۱) ہوتا ہے وہ کچھ بھی نہیں مکار ہیں ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ کے بندے سب یکساں نہیں سب کو مکار نہ سمجھنا چاہیئے۔

مکن عیب درویش حیران و مست کہ غرق است ازاں میرند پاؤ دست(۲)

آگے اس کی حد بتلاتے ہیں:

بہ تسلیم سر در گریباں برند چو طاقت نماند گریباں درند

کہ اول تو ضبط کر کے سر جھکا لیتے ہیں مگر جب طاقت نہ رہے اس وقت بے اختیار ہو کر کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں یہ نہیں کہ جان جان کر ایسا کریں۔

کانپور میں ایک صاحب نے آکر ذکر رسول کیا اور عین بیان کے اندر پرانا کرتہ پھاڑ ڈالا گھر والے کو شرم سے نیا بنانا پڑا۔ یہ لوگ صاحب بطن ہیں صاحب باطن نہیں۔ غرض وجد کے اقسام میں ایک قسم یہ بھی ہے کہ مست ہو کر اختیار سے باہر ہو جاؤ مگر اس میں منحصر نہیں۔ حقیقت اس کی یہ ہے۔

"حالته محمودة غريبة غالبة"(۳)

چنانچہ رونا بھی وجد ہے کہ وعید کی بات سن کر رونا آ گیا، حضور ﷺ کو بھی بکاء طاری ہوتا تھا اور اس میں آپ کی یہ حالت ہوتی تھی۔ "وله ازيز كازير المرجل" کہ جیسے ہانڈی پکنے کی آواز ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی آواز اسی کے

---

(۱) جن پر جذب کی کیفیت طاری رہتی ہے (۲) "حیران و مست درویش کی عیب جوئی مت کرو اس لئے کہ وہ محبوب کی محبت میں غرق ہے اس وجہ سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے ۱۲ ص (۳) ایک محمود غریب غالب حالت ہے ۱۲ ص۔

مشابہ ہو جاتی تھی۔ مگر کاملین پر ان حالات کا زیادہ غلبہ نہیں ہوتا۔

حقیقتِ استغراق

بعض لوگ استغراق کو کمال سمجھتے ہیں کہ نماز میں ایسا محو ہو جائے کہ کچھ بھی خبر نہ رہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے بعض دفعہ ارادہ کرتا ہوں کہ لمبی سورت پڑھوں گا۔ مگر کسی بچہ کے رونے کی آواز سن کر چھوٹی سورتیں پڑھتا ہوں کہ اس کی ماں زیادہ دیر سے بے چین ہو جائے گی۔ تو دیکھئے حضور ﷺ کو نماز میں بچوں کے رونے کی خبر ہوتی تھی تو استغراق حالت کمال نہیں بلکہ حالت توسط(۱) ہے اور کمال کے بعد استغراق و انقطاع(۲) کلی نہیں ہوتا۔ بلکہ اہل دنیا سے بھی تعلق ہو جاتا ہے مگر یہ تعلق اور طرح کا ہوتا ہے۔ اس تعلق میں جو قبل از کمال ہوتا ہے(۳) اور اس میں جو بعد کمال ہوتا ہے بڑا فرق ہوتا پہلے سب سے تعلق اپنی نسبت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور اس کی ذات کے مظہر ہیں اور اس کے حقوق کے محل ہیں۔ پس یہ بھی اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کی محبت ہے۔ مگر وسط میں یہ نہیں رہتی۔ یہ حالت کمال ہی کی ہے کہ غیر میں بھی ذات خدا تعالیٰ کا مشاہدہ ہو۔ حاصل یہ کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور طرح کی ہوتی ہے اور ماں کی اور طرح کی بیوی کی دوسری قسم کی۔

---

(۱) درمیانی حالت ہے (۲) جس کو درجہ کمال حاصل ہو جائے وہ بالکل بے خبر نہیں ہوتا (۳) کمال سے پہلے جو تعلق ہوتا ہے۔

امتیاز محبت

یہیں سے یہ شبہہ بھی حل ہوجائے گا کہ حدیثوں میں کہیں تو یہ آیا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ محبت فاطمہؓ سے ہے کہیں فرماتے ہیں کہ سب زیادہ محبت عائشہؓ سے ہے۔ کہیں فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ محبوب ہیں۔ کسی میں ہے کہ سب سے زیادہ محبوب مجھے علیؓ ہیں تو بظاہر اس میں شبہہ ہوتا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اتنے آدمیوں سے محبت ہو اور سب سے زیادہ بھی ہو۔ سب سے زیادہ محبت تو ایک ہی سے ہوسکتی ہے۔ تو بات وہی ہے کہ محبت کی انواع مختلف ہیں۔ نوع محبت اولاد میں سب سے زیادہ حضرت فاطمہؓ سے محبت تھی۔ حبّ ازواج(۱) میں سب سے زیادہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اور نوع حبّ اقارب(۲) میں سب سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور نوع حب اصحابؓ میں سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت تھی۔ پس احادیث میں کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ غرض لوگوں نے جو آثار بیوی کی محبت کے تھے چونکہ خدا تعالیٰ کی محبت میں نہ پائے سمجھے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کم ہے۔ یہ دھوکہ ہوگیا ہے کہ انواعِ محبت میں امتیاز نہ کرنے سے۔

مخلوق کی محبت اور خدا کی محبت میں فرق

اسی لئے بعض صوفی نکاح نہیں کرتے کہ خدا سے محبت کم ہوجائیگی یہ کچھ پینڈ لیے ہیں یعنی کم ہمت ہیں۔ ان کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت اتنی کچی ہے جو

---

(۱) بیویوں کی محبت میں سب سے زیادہ حضرت عائشہؓ سے محبت تھی (۲) اعزہ میں سب زیادہ محبت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔

نکاح سے زائل ہو جائے گی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیٹے کو یاد کر کے بے چینی ہوتی ہے اور خدا کو یاد کر کے بے چینی نہیں ہوتی۔ جس سے معلوم ہوتا کہ خدا تعالیٰ کی محبت بیٹے کی محبت سے زیادہ نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بیٹا تو دور ہے کیا خدا تعالیٰ دور ہے جو پریشانی اور بے چینی ہو۔ ﴿وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡد﴾ (۱)

ہاں کبھی قرب کی بے چینی ہوا کرتی ہے' حضرت ابوالمعالی نے ہفت گریہ میں لکھا ہے کہ ہم اپنے شیخ کی مجلس میں تھے اور رو رہے تھے ایک منکر آیا اور کہا کہ یہ سب کے سب دولتِ قرب سے محروم ہیں۔ میں نے جوش میں آ کر ہفت گریہ کتاب لکھی اور اس میں یہ دو شعر حافظ شیرازیؒ کے لکھے حافظ صاحب بڑے عارف اور ان کا کلام نہایت لطیف اور با اثر ہے۔

ایک صاحب حافظ شیرازیؒ کی بابت مجھ سے بہت لڑے کہ ان کو اچھا کیوں کہتے ہو' میں نے کہا ان کے کلام میں بڑے بڑے علم موجود ہیں کہنے لگے کہ یہ سب حسنِ ظن ہے' جس سے ان کے کلام کو علومِ محمودہ پر منطبق کر لیا جاتا ہے' میں نے کہا کہ آپ ایسے علوم دوسرے شعراء کے کلام میں نکال دیجئے اور منطبق کر دیجئے' غرض وہ شعر یہ تھے۔

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت
واندراں برگ ونوا خوش نغمہائے زار داشت (۲)

---

(۱) اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ۔ سورۂ قٓ:۱۶ (۲) ایک بلبل خوش رنگ پھول کی پتی اپنی چونچ میں لئے ہوئے تھی اور اس سامان خوشی پر بھی خوب نالہ وزاری کر رہی تھی ۱۲ اص۔

گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست
گفت مارا جلوہ معشوق در ایں کار داشت (۱)

خوشی کے آنسو

حقیقت میں عشاق کا حال ہی جدا ہوتا ہے مجھے یاد آئی' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حکایت کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے اُبی! مجھے خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم کو قرآن سناؤں حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا حق تعالیٰ نے میرا نام لیکر فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں' ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے سامنے ایک طالب علم نے کہا کہ کیوں روئے خوش ہونا چاہئے تھا۔ فرمایا کیوں تو کیا جانے' واقعی جس پر گذرتی ہے وہی خوب سمجھتا ہے تو رونا کبھی کمالِ قرب میں بھی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجد اسی قسم کا ہوا کرتا تھا۔ پس جس طرح وجد مختلف ہیں اسی طرح انواع محبت کے بھی۔ مگر یہ امر سب محبان حق میں مشترک ہے کہ غیر حق کی محبت ان کے دل میں حق (۲) سے زیادہ نہیں ہوتی۔

---

(۱)''جب اس سے پوچھا کہ عین وصل میں یہ رونا جھینکنا کیوں ہے؟ تو اس نے جواب دیا جلوہ معشوق ہی تو مجھ کو اس کام میں رکھتا ہے''یعنی یہی وصل نالہ وزاری کا سبب ہورہا ہے' اس میں اس کا بیان کہ عاشق کا گریہ ہمیشہ اس کے فراق وحرماں کی دلیل نہیں ہے (۲) غیر اللہ کی محبت اللہ کی محبت سے زیادہ نہیں ہوتی۔

تعلق مضر

اور تعلق مضر(۱) وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی محبت سے بڑھ جائے اور ہمیشہ کلفت تعلق مع غیر اللہ (۲) سے پہنچتی ہے کبھی تو عین وصل میں پریشانی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ غیر اللہ سے محبت ہے' کبھی اس لئے پریشانی ہوتی ہے کہ کسی سے خوف ہوتا ہے اس کی وجہ بھی نسبت مع غیر اللہ ہے' کیونکہ اگر اس پر نظر نہ ہوتی تو کچھ بھی اندیشہ نہ تھا۔ اسی طرح اگر کسی سے رنج ہوتا ہے تو اس لئے کہ اس سے کسی قسم کی توقع ہوتی ہے تو چونکہ غیر اللہ کے ساتھ تعلق رجاء منفعت (۳) تھا اور وہ منفعت فوت ہوئی اس لئے رنج پہنچا' کبھی اس لئے تکلیف ہوتی ہے کہ اس سے بجائے منفعت کے مضرت (۴) پہنچی ہو کبھی اس لئے رنج ہوتا ہے کہ کسی نے ہماری عزت نہ کی۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے' غرض جہاں کہیں بھی کلفت (۵) ہوتی ہے' اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ غیر اللہ پر نظر ہے خواہ اس کی طرف سے اصابت مکروہ کی ہو یا فوت نفع کی(۶)۔ پس جب اس سے قطع نظر کر لے گا تو کچھ بھی کلفت نہ ہوگی۔ کبھی مرض میں تکلیف کے ساتھ پریشانی ہوتی ہے۔ مثلاً یہ سنا کہ جلدی اچھے ہو جائیں گے اور دیر لگ گئی تو سخت بے چینی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اپنی زندگی کے ساتھ محبت ہے' غرض کہاں تک مثالیں دوں۔

---

(۱) نقصان دہ تعلق (۲) ہمیشہ تکلیف غیر اللہ کے تعلق سے ہوتی ہے (۳) نفع کی امید تھی اور وہ نفع حاصل نہ ہوا (۴) بجائے فائدے کے نقصان پہنچ گیا (۵) پریشانی (۶) خواہ کسی ناپسندیدہ بات کے پہنچنے کی وجہ ہو یا منفعت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔

اسبابِ کلفت

جب کبھی آپ کو کوئی کلفت پہنچے تو دیکھ لیا کیجئے کہ یہ تکلیف کیوں ہوئی۔ ضرور اس کا یہی سبب نکلے گا کہ غیر اللہ پر نظر تھی۔ اسی طرح جب غصہ آئے گا تو غیر اللہ پر نظر ہونے کی وجہ سے اور اپنے نفس پر جو غصہ آتا ہے تو اس کا یہ سبب ہوتا ہے کہ توقع ہوتی ہے کہ یوں کرے اور جب اس طرح نہیں کرتا تو غصہ آتا ہے۔ اس میں بھی غیر اللہ پر نظر ہے۔ یعنی اپنے نفس پر اور غیر اللہ سے تکلیف پہنچنے میں تو تکلیف ہوتی ہی ہے۔ یہ نسبت مع الغیر (۱) ایسی ہے کہ اس سے اگر خوشی بھی پہنچے بعض اوقات اس خوشی میں بھی تکلیف ہوتی ہے کہ نہ زبان قابو میں رہتی ہے نہ افعال حتی کہ بعض لوگ مر جاتے ہیں۔

زیادہ ہنسنے کا نقصان

واقعی دنیا کی خوشی میں بھی رنج ہے، مگر یہ تو سب کو پیش آتا ہے کہ جب بہت ہنستے ہیں تو اس کے بعد دل میں کسی قدر کبیدگی (۲) ہوتی ہے اور عوام کی زبان پر بھی یہ مسئلہ مشہور ہے کہ آج بہت ہنسے ہیں خدا خیر کرے۔ ہر کام میں اعتدال ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ بے اعتدالی سے ہمیشہ تکلیف ہوتی ہے۔

دوسرے ہنسنے میں اس لئے بھی رنج ہوتا ہے کہ ہنسنا کسی سبب کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اور وہ سبب دائم ہے نہیں۔ سو جب وہ سبب جاتا رہتا ہے تو رنج بھی پہنچتا ہے۔

---

(۱) غیر کے ساتھ تعلق (۲) رنجش۔

حضور ﷺ کی کیفیتِ تبسّم کی وجہ

تیسرے زیادہ ہنسنا غفلت اور بےفکری کا موجب کدورت (۱) ہونا ظاہر ہے اور یہیں سے راز معلوم ہوگیا حضور ﷺ کی کیفیت تبسم کا کہ جب آپ ہنستے تھے۔ تو نواجذ (۲) کبھی نظر نہیں آئیں یعنی آپ کبھی منہ کھول کر نہ ہنستے تھے۔آپ کا انتہائی ضحک تبسم تھا تو یہ بات غور کرنے کی ہے کہ حضور ﷺ کیوں ضحک (۳) کم فرماتے تھے یوں اللہ اعلم جو کچھ بھی وجہ ہو مگر تجربہ یہ ہے کہ جس کو کوئی فکر ہوا کرتی ہے اس کو قہقہہ نہیں ہوتا۔ البتہ تبسم ہوسکتا ہے۔

احادیث میں ہے(کان دائم الاحزان متواصل الافکار) کہ آپ ہمیشہ غمگین رہتے ہیں مگر بوجہ لطافتِ طبع کے کبھی تبسم یا ضحک قلیل (۴) فرمادیا کرتے تھے کیونکہ کوئی کیفیت آپ پر ایسی غالب نہ ہوتی تھی کہ دوسرے موثرات کا اثر ظاہر نہ ہوسکے۔ یہ نہایت سلامت مزاج کی دلیل ہے کہ بھوک کے وقت بھوک لگے اور پیاس کے وقت پیاس۔

افعال میں اعتدال

آج کل بعض لوگ پیروں کی تعریف کیا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ اناج نہیں کھاتے۔ یہ کچھ کمال نہیں تعریف یہ ہے کہ سب کچھ کھاوے مگر حلال روزی کھاوے اور اعتدال سے کھاوے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ (۵) کھانے میں سب کے ساتھ بیٹھتے اور سب کے ساتھ اٹھتے مگر کم کھاتے تھے اور کوئی ہدیہ لاتا تو حاضرین سے فرمایا کرتے کہ کھاؤ کہ یہ خدا کے واسطہ سے آئی ہے اس میں واسطے

(۱) غفلت اور بیفکری کے سبب ہنسنا کبیدہ خاطر ہونے کی دلیل ہے (۲) حلق کی طرف سے ملی ہوئی داڑ ہیں (۳) کیوں کم ہنستے تھے (۴) تھوڑا سا مسکرا لیتے تھے (۵) حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔

کی وجہ سے نور ہے۔

میں کیا بتلاؤں مجھے ایک مرتبہ ایک بزرگ نے ایک چوغہ بھیجا۔ میں نے جب اس کو پہنا تو دو تین دفعہ کے پہننے سے یہ تجربہ ہوا کہ جب اس کو پہنتا ہوں گناہ کا وسوسہ نہیں ہوتا۔ اب حضرت کے قول کی پوری طرح تصدیق ہوگئی کہ خدا تعالیٰ کے علاقہ سے جو چیز آتی ہے اس میں نور ہوتا ہے۔ خیر حضرت تو صاحب کشف تھے مگر کشفی ہم کو بھی ہوگئی اور اس میں کشف کی بھی کیا بات ہے۔ یہ تو نورِ ایمانی ہے جو ہر مسلمان میں ہونا چاہیئے ۔تو ہمارے حضرت خود بھی طیّبات کھاتے تھے اور دوسروں کو بھی امر فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو بہت مت ستاؤں کہ کھانے پینے میں کمی کردو بلکہ اس کو خوش رکھو۔

کہ مزدور خوش دل کند کار بیش

''مزدور کا دل خوش ہو تو زیادہ کام کرتا ہے''

خوب کھاؤ اور خوب کام کرو۔ حضرتؒ کا یہ معمول تھا اور حضور ﷺ کی بھی یہی حالت تھی مگر آپ باوجودیکہ ہر وقت فکر آخرت میں مصروف رہتے تھے۔ مگر یہ کیفیت اتنی غالب نہ تھی جو کھانے اور پینے اور ہنسنے بولنے سے بھی روک دے اور یہ بھی حضور ﷺ نے ہمارے حق میں بھلائی کی ورنہ ہم تو مرجاتے اور وہی حال ہوتا جو حضرت یحیٰ علیہ السلام کا تھا کہ مارے خوف کے روتے روتے آپ کے رخسار مبارک کا گوشت تک گل گیا تھا۔

حضور ﷺ کے افعال میں اعتدال

ایک مرتبہ حضرت یحیٰ اور حضرت عیسٰی علیہما السلام میں مناظرہ ہوا وہ رونے کو افضل فرماتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ایک فرشتہ کے ہاتھ یہ فیصلہ کہلا کر بھیجا

کہ اے عیسیٰ تم جلوت میں تو ایسے رہو جیسے اب ہو اور خلوت میں یحییٰ کی طرح رہو۔ اور اے یحییٰ تم خلوت میں تو ایسے رہو جیسے اب ہو اور جلوت میں عیسیٰ کی طرح رہو۔ ورنہ میرے بندے دل شکستہ اور مایوس ہوجائیں گے۔ تو حضرت رسول اکرم ﷺ اگر کبھی نہ ہنستے تو ہماری حالت مایوسانہ ہوجاتی۔ مگر حضور ﷺ کا یہ بڑا کمال تھا کہ باوجود سب سے زیادہ خدا کا خوف دل میں ہونے کے آپ ﷺ خوف پر ایسے غالب تھے کہ تبسم بھی فرماتے نیز باوجود سب سے زیادہ موردِ رحمتِ الٰہی ہونے کے اس سے آپ ایسے مغلوب نہ تھے کہ آپ ﷺ پر بکاء طاری نہ ہو۔ غرض کہ حضور ﷺ کے ہر فعل میں غور کیا جائے تو آپ ﷺ کا ہر کام معتدل اور بقدرِ ضرورت تھا۔

ایک غلطی کا ازالہ

اور یہاں سے ایک غلطی ہماری معلوم ہوگئی اور وہ یہ کہ ہمارے اندر بعض افعال طبعی ہیں۔ ہم نے ان کے جواز پر احادیث سے استدلال کر رکھا ہے مثلاً ہمارے اندر غصہ موجود ہے اس کے جواز پر یہ سند پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بھی غصہ کیا ہے۔ یہ استدلال غلط ہے کیونکہ حضور ﷺ نے جہاں غصہ فرمایا وہاں ضرورت پر اکتفا(۱) کیا ہے اور ہم لوگ حد سے بھی متجاوز (۲) ہوتے ہیں تو حضور ﷺ کا غصہ فرمانا ہمارے اس غصہ کے لئے کب سندِ جواز بن (۳) سکتا ہے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کے افعال کو سند میں پیش کرنا اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب ہمارے افعال بھی حدِ اعتدال سے باہر نہ ہوں۔ ورنہ ایک شخص کا فعل معتدل دوسرے کے فعل غیر معتدل کے لئے کس طرح سندِ جواز بن سکتا ہے۔

---

(۱) ضرورت کے مطابق غصہ کیا (۲) ہم حد سے بڑھ جاتے ہیں (۳) حضور ﷺ کے غصہ کو اپنے غصہ کے لئے دلیل بنانا غلط ہے۔

حضور ﷺ کا کمال

حضور ﷺ کا ہر فعل بقدرِ ضرورت تھا اور حضور ﷺ نے کر کے دکھلا دیا کہ تمام قوتوں کا حق اس طرح سے پورا ہوسکتا ہے۔ حضور ﷺ کا یہ بہت بڑا کمال تھا کہ آپ ﷺ نے سب بشری قوتوں سے کام لیا اور پھر عبادتِ الٰہی کا حق بوجہ اکمل ادا کیا۔ اور کسی قوت انسانی کو بیکار کر کے اگر عبادت کی گئی تو یہ کوئی بڑا کمال نہیں۔ اگر دوسرے کی وہ حالت ہوئی جو حضور ﷺ کی تھی تو وہ حال ہوتا جو حضور ﷺ خود فرمارہے ہیں کہ قسم اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جو مجھے معلوم ہے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ اور بیبیوں کے ساتھ بستر پر لذت حاصل نہ کرسکتے۔ یہ حضور ﷺ ہی کا حوصلہ ہے کہ قلب پر آرہ چل رہا ہے مگر ہمارے لئے ہنس رہے ہیں۔ حضور ﷺ کا ہنسنا ایسا ہی تھا۔ جیسے کسی کی بیوی مرجائے مگر وہ بچوں کے سامنے غمگین ہونے کے خوف سے ہنستا ہے۔ حضور ﷺ نے سب چیزیں استعمال فرمائیں۔ میوے بھی کھائے مٹھائی بھی کھائی' غلہ اور اناج بھی نوش فرمایا۔ اور لباس بھی پہنا عمدہ بھی اور ادنیٰ بھی۔ مگر ہر چیز میں اختصار ملحوظ (۱) تھا۔ آپ ﷺ نے محبت بھی کی اور عداوت بھی' مگر ہر ایک میں اعتدال مدِ نظر تھا۔ اور یہی دوسروں کو بھی تعلیم فرمایا ہے۔

دوستی و دشمنی میں اعتدال

(احبب حبیبك هونًا) ''اپنے دوست سے تھوڑی ہی محبت کرو''

اس کو دین کے اعتبار سے دیکھئے یا تمدن کے اعتبار سے ہر پہلو سے ایک عجیب بات کی آپ ﷺ نے تعلیم دی۔ دین کے لحاظ سے تو ظاہر ہے کہ اگر غیر کی محبت زیادہ ہوگی تو خدا تعالیٰ کی محبت کم ہوگی اور مرتے وقت بہت حسرت و ارمان لے کر

---

(۱) ہر چیز میں اختصار پیش نظر رہا۔

جائے گا۔ مگر دنیا کے اعتبار سے بھی اس میں خوبی یہ ہے کہ کسی سے بہت حد سے زیادہ میل جول نہ کیا جاوے۔ کیونکہ زمانہ پلٹتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ ممکن ہے کہ یہ دوست کسی وقت دشمن ہو جائے تو چونکہ یہ گھر کا بھیدی ہے اس لئے بہت دق(۱) کرے گا۔ اسی طرح عداوت (۲) بھی کسی سے اگر کرو تو ہلکی کرو حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ شخص کسی وقت تمہارا دوست ہو جائے تو اس سے حجاب نہ ہوگا اور بہت سے فوائد ہیں تو آپ ﷺ کی تعلیم ایسی عجیب تھی کہ افلاطون وارسطو کے ملفوظات میں بھی کہیں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ایسے ہی عمارت میں بھی آپ ﷺ نے اختصار کا حکم فرمایا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عنداللہ تمہاری عمر تھوڑی باقی ہو اور تم اس کو تمام نہ کرسکو تو حسرت وارمان دل میں باقی رہے گا۔

حضور ﷺ کے غصہ کا ایک انداز

ایک مرتبہ آپ ﷺ تشریف لے جارہے تھے' راستہ میں ایک مکان پر نظر پڑی جو قبہ دار یعنی ڈاٹ کی چوڑائی کا تھا' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ فلاں صحابیؓ کا ہے' غور کیجئے کہ یہ وقت تھا آپ ﷺ کے غصہ ہونے کا' کیونکہ دریافت ہی اسی لئے فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کو وہ مکان ناگوار معلوم ہوا تھا مگر اس وقت آپ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا۔ بلکہ صحابہؓ کہتے ہیں: ''حملها في قلبه '' کہ اس قصے کو دل میں اٹھا رکھا زبان سے کچھ نہ فرمایا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لاکر مجلس میں رونق افروز ہوئے تو وہ صحابیؓ آئے اور سلام کیا۔ آپ ﷺ نے جواب نہ دیا' ان کی جان نکل گئی' لوگوں سے پوچھا لوگوں نے کہا پختہ طور سے تو معلوم نہیں' مگر تمہارا مکان دیکھ کر پوچھا تو تھا کس کا ہے شاید اس سے ناخوش ہوئے

(۱) بہت پریشان کریگا (۲) دشمنی۔

ہوں۔ جب حضور ﷺ کا غصہ ان کو معلوم ہوا تو آ کر مکان کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور پھر آ کر حضور ﷺ کو اطلاع بھی نہیں کی۔ اتفاق سے حضور ﷺ کا پھر اس طرف گزر ہوا جب وہ مکان نظر نہ آیا تو دریافت فرمایا کہ وہ مکان کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ مالک مکان نے یہ سن کر کہ حضور ﷺ کو ناگواری ہوئی سارا مکان گرا دیا۔

حضور ﷺ کے غصہ کی یہ حالت تھی یہ نہ کہ مار دھاڑ کریں۔ حالانکہ حضور ﷺ کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے۔ کیونکہ آپ سلطان وقت بھی اور صحابہؓ آپ ﷺ کے ایسے جاں نثار تھے کہ سلاطین کو ایسے خدام قیامت تک بھی میسر نہیں آ سکتے تو اس کی یہی وجہ تھی کہ غیر اللہ کے ساتھ حضور ﷺ کے قلب کو زیادہ تعلق نہ تھا۔ جس سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اس کے ہر کام کا اثر دل پر زیادہ ہوتا ہے۔ جیسے آج کل لوگوں کی حالت ہے کہ جس سے دوستی ہے تو بے انتہا ہے اور بغض (۱) ہے تو حد سے زیادہ۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ ہمارے قلوب کو غیر اللہ سے بہت تعلق ہے۔ اس کے ہر فعل کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے، حضور ﷺ نے اپنے افعال کے ذریعہ سے بتلا دیا کہ تعلق غیر اللہ کے ساتھ بہت زیادہ نہیں ہونا چاہیئے نہ کسی خوفناک چیز سے زیادہ ڈر نہ کسی مرغوب چیز پر بہت فریفتہ (۲) ہو۔ بلکہ اتنا علاقہ رکھو جتنا کہ فطرتِ سلیمہ کا مقتضاء ہے۔

انسان کی احتیاج

وہ یہ ہے کہ انسان فطرت سے مدنی الطبع (۳) یعنی اجتماع کا محتاج ہے، تنہا سارا کام نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے اس کو اپنی ضروریات کو پورا کرنے میں غیر کی ضرورت ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ نوعِ انسان میں ہر ایک محتاج و محتاج الیہ ہے پھر ساری نوع انسانی کو حیوانات و نباتات (۴) کی احتیاج ہے اور ان سب کو

(۱) دشمنی ہے تو حد سے زائد (۲) عاشق ہو (۳) انسان کی طبیعت مل جل کر رہنا چاہتی ہے (۴) تمام انسانوں کو جانوروں اور پودوں کی ضرورت ہے۔

جمادات (۱) کی احتیاج ہے۔ اس بیان سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ سب سے زیادہ احتیاج انسان کو ہے کیونکہ دیگر حیوانات صرف نباتات و جمادات (۲) کے محتاج ہیں اور نباتات صرف جمادات (۳) کے محتاج ہیں اور انسان تینوں کا محتاج (۴) اور انسان کا سب سے اخیر میں پیدا ہونا یہ خود دلیل ہے اس بات کی کہ یہ سارا سامان اسی کی غرض (۵) سے ہے اور یہ سب اسی کی ضروریات ہیں کیونکہ جب کوئی معزز مہمان آنے والا ہوتا ہے تو اس کی ساری ضروریات کا سامان پہلے سے ہوا کرتا ہے تاکہ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ تو عالم میں جتنی چیزیں ہیں سب انسان کی کار آمد ہیں' کتا حفاظت کے لئے' گھوڑے گدھے سواری اور بوجھ لادنے کے لئے' ان سب چیزوں کا انسان سے پہلے پیدا ہونا اس کی دلیل ہے کہ اس کو ان کی ضرورت ہے۔ سانپ بچھو اگر نہ ہوتے تو بہت سی دوائیں تیار نہ ہوسکتیں۔ نیز ان حشرات الارض (٦) میں اور بہت سے منافع ہیں جس میں ایک ہماری فرعونیت کا علاج بھی ہے کہ وہ انسان جو ہاتھی اور شیر تک پر قبضہ کرلیتا ہے ذرا سے حقیر جانور سے عاجز (۷) ہے۔ غرض اور جتنی چیزیں ظاہر میں ہم کو بیکار معلوم ہوتی ہیں۔ حقیقت میں ان سے کوئی منفعت ضرور ہے اگرچہ کسی خاص فرد کو نہ ہو۔ مثلاً چوروں کے وجود سے قفل والوں کو لوہاروں کو کتنا بڑا نفع ہے ان سے جاکر پوچھو' تو یہ عالم ایک باغ ہے جس میں زینت و آرائش کے لئے جہاں عمدہ عمدہ پھول لگائے گئے ہیں وہاں حفاظت کے لئے جھاڑ کانٹے بھی لگائے گئے ہیں۔ تو انسان چونکہ دنیا کی ہر چیز کا محتاج ہے' اس احتیاج کی وجہ سے اس کے دل میں دوسری چیزوں کا

---

(۱) پتھر مٹی وغیرہ (۲) پودوں اور پتھروں وغیرہ (۳) پودے صرف زمین پتھروں کے محتاج ہیں (۴) انسان پتھروں' پودوں اور جانوروں سب کا محتاج ہے (۵) یہ سب سامان انسان کے لئے ہے (٦) زمینی کیڑے مکوڑوں میں بہت سے فائدے ہیں (۷) مثلاً مچھر ہی انسان کو کتنا پریشان کردیتا ہے۔

تعلق پیدا کیا گیا اور اس کی اجازت دی گئی۔ کیونکہ بدوں قدرے تعلق کے نفع و انتفاع متصور نہیں (۱) ہوسکتا کیونکہ نوع انسان جو آپس میں ایک دوسرے کے محتاج و محتاج الیہ ہیں وہ احتیاج صرف دو علاقوں میں منحصر ہے۔ ایک انتفاع یعنی دوسرے سے فائدہ مند ہونا۔ دوسرا نفع یعنی دوسرے کو فائدہ پہنچانا' دنیا کا کوئی علاقہ ان دونوں سے خالی نہ ہوگا۔ اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو لوگ خود مطلب ہیں کہ دوسروں سے نفع حاصل کرنا ہی جانتے ہیں۔ دوسروں کو نفع پہنچاتے نہیں وہ نہایت بھدے (۲) ہیں۔ بڑے ظلم کی بات ہے کہ اوروں پر تو آپ کا حق ہو اور دوسروں کا آپ کے اوپر کوئی حق نہ ہو تو تعلق مع غیر اللہ کا مبنٰی یہ ہے کہ انسان میں احتیاج اور احتیاج الی العبد (۳) اصل مقتضی کے خلاف ہے تو یہ تعلق عارض کی وجہ سے ہوا۔ اور یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ ''الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ'' (۴) تو ہر چیز سے اتنا علاقہ ہونا چاہیئے کہ نفع انتفاع کے لئے کافی ہو (۵) یعنی دوسروں کو نفع پہنچا سکو اور دوسروں سے نفع حاصل کرسکو۔ اس کے علاوہ جتنی زیادتی ہوگی وہ جائز نہیں ہوسکتی۔ اس سے زیادہ تعلق خدا تعالٰی کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

افراطِ شفقت

البتہ اگر کسی تعلق غیر کو تعلق مع اللہ میں دخل ہو' جیسے شیخ کے ساتھ محبت و ادب اور شیخ کا مرید پر شفقت کرنا اس میں مبالغہ کرنے میں مضائقہ نہیں مگر افراط (۶) اس میں بھی نہ چاہیئے بعض شیوخ ایسی شفقت کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ

(۱) کیونکہ بغیر تعلق ایک دوسرے سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہوتا (۲) بہت بُرے ہیں (۳) بندے کا محتاج ہونا (۴) ضروری چیز بقدرِ ضرورت ہونی چاہیئے (۵) ہر چیز سے صرف اتنا تعلق ہونا چاہیئے کہ دوسرے کو نفع پہنچانے اور خود نفع حاصل کرنے کے لئے کافی ہوجائے (۶) حد سے متجاوز اس میں بھی نہ ہونا چاہیئے۔

یوں چاہتے ہیں کہ سارا عالم خدا تعالیٰ کی یاد میں لگ جائے مگر رسول اللہ ﷺ کو خدا تعالیٰ اس کے درپے ہونے سے روکتے ہیں۔ ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ (۱)

آپ سب کے وکیل نہیں ہیں۔ ﴿اِنَّمَا اَنْتَ نَذِيْرٌ﴾ (۲) آپ ﷺ تو صرف ڈرانے والے ہیں ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ (۳) "خدا تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے"۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ (۴) آپ نصیحت کیجئے آپ صرف سمجھانے والے ہیں ان پر مسلط نہیں ہیں کہ بالکل پاک صاف کر دینا آپ کے ذمہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دھوبی کو کپڑے دھونے کے لئے دیئے جاتے ہیں تو یہ شرط ہوتی ہے کہ بالکل سفید کر کے لا دے ذرا بھی دھبہ رہے گا تو باز پرس ہوگی۔ یہ بات نہیں بلکہ آپ کا کام صرف سمجھا دینا ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (۵) کہ کوئی نفس بغیر ہمارے اذن و اجازت کے کبھی ایمان نہیں لا سکتا پھر آپ اتنی فکر کس لئے کرتے ہیں۔ غرض باوجودیکہ یہ تمام تر شفقت جو حضور ﷺ کو امت کے ساتھ تھی صرف اس لئے تھی کہ یہ مخلوقِ خدا ہیں اس کی مصنوعات ہیں اور یہ محبت عین محبت خداوندی ہے۔ مگر اس میں بھی افراط سے منع فرمایا ہے۔

(۱) سو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دیدینگے۔ سورۂ کہف: ۶

(۲) سورۂ ھود: ۱۲ (۳) سورۂ ھود: ۱۲ (۴) سورۂ غاشیہ ۲۱، ۲۲ (۵) سورۂ یونس: ۱۰۰۔

افراطِ شفقت کی ممانعت

ایک مرتبہ معجزات کی بابت آپ کا جی چاہا کہ جو یہ چاہتے ہیں وہی ہوجائے تو اچھا ہو کہ ان پر حجت بالکل تام ہوجائے اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے﴿وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیْ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَاءِ فَتَاتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ﴾(۱)

کہ اگر آپ پر ان کا اعراض گراں ہوگیا ہے اور آپ کا یہی جی چاہتا ہے کہ جو یہ مانگیں وہی بات ہوجائے تو آپ ﷺ کو اگر طاقت ہو تو زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر کوئی معجزہ لے آیئے یعنی ہم تو بھیجتے نہیں اور آپ ﷺ کی قدرت میں ہے نہیں تو پھر آپ کیوں اس فکر میں پڑے ہیں۔﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ﴾(۲) یعنی اگر خدا تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو ان سب کو ہدایت پر جمع فرمادیتا' سو آپ نادانوں کی سی باتیں نہ کیجئے﴿اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ﴾(۳) کہ حق بات وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کے کان ہیں اور جن کے دل مردہ ہیں ان کو تو خدا تعالیٰ قیامت میں اٹھادیں گے پھر خدا تعالیٰ کے پاس ان کا فیصلہ ہوگا' وہ خود سب کو سمجھ لیں گے اس مضمون کو سنتے ہی معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ ورنہ اور کون ایسا کہہ سکتا ہے اگر معاذ اللہ! یہ کلام حضور ﷺ کا ہوتا تو﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ﴾ وغیرہ ایسے کلمات ہرگز اپنے واسطے تصنیف نہ کرتے تو بعض شیوخ کو شفقت میں بعض اوقات افراط ہوجاتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اس افراط سے روک دیا ہے۔

(۱) سورۂ انعام:۳۵ (۲) سورۂ انعام:۳۵ (۳) سورۂ انعام:۳۶۔

حد سے متجاوز شفقت کا نقصان

اور ایسا اب بھی ہوتا ہے کہ شیخ یوں چاہا کرتا ہے کہ سب ایسے ہی ہوجائیں جیسا کہ میرا جی چاہتا ہے اس سے جو حق تعالیٰ نے منع فرمادیا ہے تو میرے خیال میں اس میں بھی یہی راز ہے کہ اتنی غایت شفقت میں بھی غیراللہ سے گونہ تعلق ہوجاتا ہے۔اس کے یہ معنی نہیں کہ شیخ مرید سے شفقت ہی نہ کرے کیونکہ اگر شفقت نہ ہوگی تو مرید کو ہرگز نفع نہ ہوگا۔مگر نفع میں نفس شفقت کوتو دخل ہے۔شفقتِ مفرطہ(۱) کو دخل نہیں اگر بے پرواہی برتی جائے تو ہرگز نفع نہ ہوگا۔

بے عنایات حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

''کہ خدا تعالیٰ اور اللہ والوں کی عنایت اگر نہ ہوتو اگر انسان فرشتہ کے برابر بھی ہوتب بھی اس کا دفتر سیاہ رہے گا۔

غرض افراط موقوف علیہ نفع(۲) کا نہیں۔اس لئے اس کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ میں اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ وہ'' مفضی الی الضرر ''(۳) یعنی افراط شفقت بعض دفعہ ضرر کا سبب ہوجاتا ہے نفع تو رہا درکنار۔

ایذاء مشائخ بلاقصد

تجربہ سے یہ بات معلوم ہے کہ جیسے شفقت سے نفع ہوتا ہے۔غصہ سے ضرر(۴) ہوتا ہے اور غایت شفقت میں غصہ زیادہ آیا کرتا ہے۔یہ آزمائی ہوئی بات ہے کہ جس سے شفقت کم ہوتی ہے اس کی حرکات سے غصہ کم آتا ہے اور جس پر

(۱) حد سے متجاوز شفقت کو دخل نہیں (۲) شفقت کی زیادتی پر نفع موقوف نہیں (۳) نقصان کی طرف پہنچانے والی ہے (۴) نقصان۔

زیادہ شفقت ہوتی ہے اس کی مخالف حرکات سے غصہ بھی بہت ہوتا ہے اور اس سے بجائے نفع کے الٹا ضرر ہوتا ہے مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ ایسی حرکات قصداً ہوں مگر بلاقصد میں بھی کچھ نہ کچھ چڑ کہ(۱) لگ ہی جاتا ہے۔ کیونکہ بلا قصد جو ایسی حرکات ہوں گی وہ لاپرواہی سے ہوں گی اور لاپرواہی اختیاری فعل ہے۔

مرزا صاحبؒ کی نازک مزاجی

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے پاس بادشاہِ وقت زیارت کے لئے آیا۔ آپ بہت نازک مزاج تھے کہ بادشاہ بھی ایسے نازک مزاج نہیں ہوسکتے۔ اتفاق سے بادشاہ کو پیاس لگی تو وہاں کوئی خادم تو تھا نہیں خود ہی اٹھ کر پانی پیا۔ پانی پی کر پیالہ گھڑے پر ذرا ٹیڑھا رکھا گیا مرزا صاحب کی نظر جو ٹیڑھے رکھے ہوئے پیالے پر پڑی فوراً سر میں درد ہوگیا مگر تحمل سے ضبط فرما گئے۔ بادشاہ کی جو کم بختی آئی آپ یہ حال دیکھ کر کہ یہاں پانی پلانے والا بھی کوئی نہیں۔ مرزا صاحب سے کہنے لگے کہ حضرت آپ کے لئے کوئی آدمی بھیجدوں جو آپ کی خدمت انجام دے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ پہلے آپ خود تو آدمی بن جایئے کہ پانی پینے کی بھی تمیز نہ آئی۔ جب سے آپ نے پیالہ ٹیڑھا رکھا ہے' میرے سر میں درد ہورہا ہے' جب آپ کا یہ حال ہے جو بادشاہت کرتے ہیں تو آپ کے خادم تو نہ معلوم کیا نور برساویں(۲) گے۔ غرض اس قصہ سے یہ تھی کہ مرزا صاحب چونکہ نازک مزاج بہت تھے اس لئے لوگوں سے کم ملتے تھے کیونکہ لوگوں میں سلیقہ کم ہوتا ہے اور بدنظمی سے مرزا صاحب کو تکلیف ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ لوگوں سے کیوں نہیں ملتے لوگ

(۱) کچھ نہ کچھ تکلیف ہوتی ہی ہے (۲) کیا کیا بے ہودہ حرکتیں کریں گے جس سے مجھے تکلیف ہوگی۔

فیض سے محروم رہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ لوگ بے تمیز ہیں ان کی بے تمیزی سے مجھے تکلیف ہوتی ہے پھر ان پر اس کا وبال پڑتا ہے۔ میں نے حق تعالیٰ سے بہت کچھ درخواست کی کہ لوگوں پر اس وجہ سے وبال نہ پڑے مگر منظور نہ ہوئی۔ اس لئے میں نے بوجہ شفقت کے امت کے حال پر خود ہی ملنا کم کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا قصد ایذاءِ مشائخ سے بھی وبال پڑتا ہے۔

بزرگوں کو تکلیف پہنچانے کا نقصان

ایک بزرگ کی حکایت میں نے خود اپنے استاد سے سنی کہ وہ چلے جا رہے تھے، راستہ میں ایک شخص نے آپ کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہا تو آپ نے خادم سے فرمایا کہ اس کے تھپڑ مار، خادم ذرا رکا، وہ شخص فوراً گرا اور مر گیا، کیونکہ خود بدلہ لے لیتے تو حق تعالیٰ کی طرف سے بدلا نہ لیا جاتا، یہ مضمون حدیث میں بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ کی کوئی چیز چوری ہوگئی، وہ بددعا دینے لگیں، آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہؓ! چور کی سزا کیوں کم کرتی ہو، نیز دوسری حدیث میں اس کی دلیل مذکور ہے کہ مرضِ وفات میں لوگوں نے آپ ﷺ کے دہن مبارک میں دوا ڈالنی چاہی، آپ ﷺ نے انکار فرمایا، لوگوں نے کہا یہ ویسا ہی انکار ہے جیسے مریض دوا سے کیا کرتا ہے دوا ڈالنی چاہیئے، چنانچہ زبردستی آپ ﷺ کے دہان مبارک میں دوا ڈالدی، جب آپ ﷺ کو غشی سے افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہر شخص کے منہ میں پچھاڑ کر دوا ڈالو اس میں بھی حکمت تھی کہ من اللہ ان پر عتاب نہ ہو(۱)

ایک بزرگ نے اپنے مرید کو یہ نصیحت کی کہ جب کسی سے تم کو کلفت پہنچے تو نہ تو بدلہ لیا کرو اور نہ صبر کیا کرو بلکہ کچھ کہہ لیا کرو۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوگیا کہ

(۱) تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر کوئی سختی نہ ہو۔

ایذاء شیوخ بلا قصد بھی وبال سے خالی نہیں ہوتی۔ اس لئے افراط فی الشفقت (۱)مضر ہے کیونکہ جتنی شفقت ہوگی اتنی ہی اس کی بے تمیزیوں سے ایذاء (۲) زیادہ ہوگی' اور بات بات میں رنج ہوگا۔

بیعت کی حقیقت

اب میں اس پر ایک دوسرے مسئلہ کی تفریع (۳) کرتا ہوں جو چند روز سے میں نے تجویز کیا ہے' جس میں مجبور ہوں' مگر لوگ میری معذوری کو اب تک نہیں سمجھے' اس بیان سے لوگوں کو یہ تو معلوم ہوگیا ہوگا کہ افراط فی الشفقت مضر (۴) ہے اور یہ مقدمہ پہلے سے معلوم ہے کہ(مقدمة المكروه مكروه مقدمة الواجب واجب) کہ جو چیز کسی بُری شئے کا سبب ہے وہ بھی بُری ہے اور جو ضروری شئے کا ذریعہ ہو وہ ضروری ہے تو چونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ افراط فی الشفقت مضر ہے اور مکروہ ہے اس لئے جو چیز افراط فی الشفقت کا سبب بنے وہ بھی واجب الترک ہوگی۔ تو مجھے بیعت کرنے سے افراط فی الشفقت ہوجاتی ہے (۵)۔ اس لئے میں نے بیعت کرنا چھوڑ دیا ہے گو اس میں ایک فتویٰ کی بات بھی ہے کہ بیعت کی جو اصل تھی آج کل اس سے تجاوز ہوگیا۔ بیعت کا خلاصہ ہے معاہدہ مرید بر اتباع (۶) معاہدہ شیخ بر شفقت و اصلاح (۷)۔

مروّجہ طریقۂ بیعت میں غلو

اب لوگوں نے اپنی حد سے ایسا بڑھایا ہے کہ جس سے عقیدہ اور عمل میں تغیّر پیدا ہوگیا ہے۔ عقیدہ میں تو یہ کہ جب تک ہاتھ لے کر بیعت نہ کیا جائے

(۱) شفقت میں حد سے بڑھ جانا نقصان دہ ہے (۲) تکلیف (۳) اس اصول پر ایک دوسرے مسئلے کو بیان کرتا ہوں (۴) نقصان دہ ہے (۵) بیعت کرنے کے بعد اس کے ساتھ شفقت میں زیادتی ہوجاتی ہے (۶) مرید کا شیخ سے اتباع پر ہوتا ہے ۱۲ص (۷) شیخ کا معاہدہ اصلاح و شفقت پر ہوتا ہے ۱۲ص۔

صرف زبانی معاہدہ کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ ہم تم کو تعلیم دیں گے اور ہر طرح تمہاری اصلاح کی تدبیر کریں گے مگر وہ کبھی راضی نہیں ہوتا۔ گویا بزرگی کوئی برق ہے کہ جب تک پیر کے ہاتھ سے ہاتھ نہ ملایا جائے وہ برق نہیں دوڑتی (۱) اگر یہی بات ہے تو لازم آتا ہے کہ ہمارا سلسلہ منقطع ہوجائے کیونکہ ایک زمانہ میں بزرگوں نے اس طریقہ سے بیعت کرنے کو ترک کردیا تھا۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں بادشاہ رعایا سے اطاعت کی بیعت لیا کرتے تھے گو اگر کسی دوسرے کی بیعت کرتے ہوئے دیکھا جاتا اس پر بغاوت کا گمان کیا جاتا تھا کہ یہ بھی طالب سلطنت ہے تو بزرگوں نے اس خوف سے کہ کوئی بادشاہ سے چغلی نہ کھادیوے اس طریقۂ بیعت کو ترک کردیا تھا۔ صرف زبانی معاہدہ پر اکتفا کرتے تھے اور تعلیم فرمایا کرتے تھے تو بتلایئے اگر بدوں اس خاص طریقہ کے بیعت نہیں ہوسکتی تو آپ کا سارا سلسلہ نسب ہی منقطع ہوا جاتا ہے اور اگر ہوسکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس سے انکار کیا جاتا ہے اور زبانی معاہدہ اور تعلیم کو ناکافی خیال کیا جاتا ہے جو چیز موقوف علیہ نہ ہو اس کو موقوف علیہ سمجھنا غلو فی العقیدہ (۲) ہے یا نہیں ضرور ہے اور اسکی اصلاح ہونی چاہئے۔

بیعت میں غلو کی اصلاح کا طریقہ

اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ اس طریقہ کو اسی ہیئت سے جاری رکھا جائے اور زبان سے سمجھا دیا جائے کہ یہ ہاتھ میں ہاتھ دینا صرف ظاہری بیعت ہے۔ اصل بیعت کام کرنا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس ہیئت کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے حضرات پہلے طریق پر عمل کریں اور مجھے چونکہ اس ہیئتِ

(۱) گویا بزرگی حاصل کرنے کے لئے پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت ہونا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ بجلی ہمارے اندر بھی آجائیگی (۲) عقیدے کے اندر زیادتی ہے۔

خاصہ سے افراط فی الشفقت ہوجاتی ہے اس لئے میں دوسرا طریق اختیار کرتا ہوں اس طرح غلو فی العقیدہ کی بھی اصلاح ہوگئی اور ضرر کی بھی۔

پیرومرید کے معاملات کی اصلاح

دوسرا غلو بیعت سے آج کل عمل میں ہوگیا ہے وہ یہ کہ جتنا بڑا پیر کو سمجھنا چاہیئے۔ مرید اس سے زیادہ بڑا سمجھتا ہے۔ ایسے ہی پیر مرید کو اپنے سے بہت چھوٹا سمجھتا ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے۔ تواضع کے بالکل خلاف ہے اور خاصہ تکبر ہے پیریوں سمجھتا ہے کہ میں اس کا حاکم ہوں اس کو میرے خلاف مرضی کوئی کام نہ کرنا چاہیئے اگر کبھی مرید پیر کو کسی بات پر ٹوکے تو وہ سخت رنجیدہ ہوتا ہے کہ اس کو یہ منصب حاصل نہیں۔ پھر ہمیں کیوں نصیحت کرتا ہے' معاذ اللہ پیر کے ساتھ بالکل خدا کا سا معاملہ کرتے ہیں' پیر کے سامنے الٹے پاؤں لوٹیں گے یا جب تک وہ بیٹھنے کا حکم خود نہ کرے کھڑے رہیں گے' ایک صاحب میرے پاس آئے اور کھڑے ہوگئے' بڑی دیر ہوگئی' میں بڑا پریشان ہوا۔ آخر میں نے بھی اسے بیٹھنے کو نہ کہا جب دیر ہوگئی تو میں نے کہا بیٹھتے کیوں نہیں کہنے لگے بلا اجازت کیسے بیٹھ سکتا ہوں' میں نے کہا تو پھر آٹھ دن تک بیٹھنے کی اجازت نہیں یہ سنتے ہی فوراً بیٹھ گئے۔ یہ تو ظاہر میں معاملہ ہے اور دل سے یوں سمجھتے ہیں کہ خدا کا نائب مطلق ہے' اگر پیر کسی کام کے کرنے کا حکم کرے تو مرید سمجھتا ہے کہ اگر یہ کام نہ کروں گا تو نہ معلوم کیا ہوجائے گا۔ اگر وہ کسی کو نوکر رکھنے کا حکم کرے تو چاہے اپنے آپ کو کلفت ہی ہو اور دل نہ چاہتا ہو۔ مگر کیا مجال جو اس کو نوکر نہ رکھے۔

مشورہ کا درجہ

صاحبو! صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے زیادہ اپنے شیخ سے محبت کرنے والا کون ہوگا مگر بایں ہمہ ان کا حضور ﷺ کے ساتھ جو برتاؤ تھا وہ اس واقعہ سے معلوم ہوجائے گا کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باندی بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا ہے تو حضور ﷺ نے ان کو سابق شوہر کے پاس رہنے میں اختیار عطا فرمایا اور یہ اختیار ہر ایک باندی کو حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ آزاد ہو تو پہلے شوہر سے جس سے حالت غلامی میں باجازت مولیٰ نکاح ہوا تھا اگر مرضی ہو نکاح باقی رکھے نہیں تو نکاح فسخ کردے۔ چنانچہ حضرت بریرہؓ کو جب اختیار دیا گیا تو انہوں نے اپنے پہلے شوہر سے علیحدگی اختیار کی اور نکاح فسخ کردیا۔ ان کے شوہر کا نام مغیث تھا۔ ان کو اس سے بہت رنج ہوا۔ اور بیچارے ان کے پیچھے روتے پھرتے تھے۔

اس وقت مغیث رضی اللہ عنہ کا رونا دیکھ کر حضور ﷺ کو بہت ترس آیا۔ آپ ﷺ نے بریرہؓ سے فرمایا کہ بریرہ تم رجوع کرلو اور مغیث کی درخواست قبول کرو' رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت بریرہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ حکم فرماتے ہیں یا بطورِ سفارش کے فرماتے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں حکم نہیں ہے' صرف سفارش ہے تو حضرت بریرہؓ نے صاف عرض کردیا کہ میں اس سفارش کے قبول کرنے سے معذور ہوں۔ چنانچہ انہوں نے یہ دیکھ کر حضور ﷺ کا ارشاد بطورِ امر کے نہیں بلکہ مشورہ ہے صاف اپنی معذوری ظاہر کردی اور مغیث سے قطع تعلق کردیا۔ مگر آپ ﷺ کو اس کا ذرا بھی ملال نہیں ہوا۔ اب تو کوئی مرید ایسا کرکے دیکھے پھر معلوم ہوجائے گا کہ پیر صاحب کیسے ناراض ہوکر منہ چڑھاتے ہیں۔ سو

اس کی نظیر تو شریعت میں کہیں نہیں اتنا حق تو رسول ﷺ نے بھی صحابہؓ پر نہیں سمجھا بلکہ ان کو مشورہ کے ماننے نہ ماننے میں اختیار دیا۔

باپ اور شیخ کے درجے میں فرق

اور ایک غضب اور یہ ہے کہ آج کل جس قدر ادب پیروں کا کرتے ہیں باپ کا نہیں کرتے۔ حالانکہ اطاعت عظمت کرنا والدین کی امر منصوص فی القرآن (۱) ہے شرعاً اگر باپ کہے کہ میرے پَیر دباؤ اور پیر کہے کہ نفلیں پڑھو باپ کا کہنا واجب ہے اگر باپ سے سرکشی کر کے نفلیں پڑھے گا شرعاً گنہگار ہوگا۔ پس پیر کا اتنا ادب کرنا کہ رسول و والدین کا بھی اتنا حق نہ سمجھے یقیناً غلو فی العمل (۲) ہے جس کی اصلاح واجب ہے۔ بہت سے بہت پیر کا حق والدین کے برابر رکھو اگرچہ واقعی اس سے بھی کم ہے اور واقع میں تو اتنا ہے کہ جتنا استاد کا سمجھتے ہو اتنا سمجھو۔

حافظ شیرازیؒ کے شعر کا صحیح مطلب

اب تو پیر کا ادب خدا تعالیٰ کے برابر کرتے ہیں کہ اگر سجدہ کا بھی حکم کرے تو شاید کرلیں اور استدلال میں حضرت حافظؒ کا شعر پڑھتے ہیں۔

بمئے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

اور یہ معنے سمجھتے ہیں کہ اگر پیر شراب خوری کا بھی حکم کرے تو بجالاؤ کیونکہ وہ منزل سے واقف ہے۔ تمہارے حق میں بھی مفید ہوگا۔ استغفر اللہ حضرت حافظؒ کا یہ مطلب ہرگز نہیں، بلکہ مئے سے مراد طریق عشق ہے اور سجادہ سے مراد قلب ہے،

---

(۱) والدین کی اطاعت کرنا قرآن شریف سے ثابت ہے (۲) عمل میں زیادتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سلوک میں ایک طریق اعمال کا ہے اور ایک طریق محبت و جذب کا ہے پس اگر شیخ نے تمہارے لئے طریق محبت و جذب تجویز کیا ہو اور تمہاری رائے میں طریقہ عمل مناسب ہو تو اس کو دل میں جگہ دو اور اپنی تجویز کو چھوڑو۔ کیونکہ عارف سالک اس منزل کی راہ و رسم سے ناواقف نہیں ہوتا اور جو معنی مشہور ہیں وہ بالکل غلط ہیں کیونکہ ہم نے تو پیر اس واسطے بنایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کا راستہ بتادے۔ اگر وہ راستہ نہ بتائے بلکہ راہ سے ہٹادے تو اس کی پیروی ہرگز جائز نہیں۔ یہیں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ پیر کا علاقہ والدین سے بھی کم ہے۔ کیونکہ پیر تو چھوٹ سکتا ہے اگر خدانخواستہ ناجائز تعلیم دے، اور باپ کبھی نہیں چھوٹ سکتا بلکہ وہ ہمیشہ واجب التعظیم ہے گو خلاف شرع میں اطاعت نہیں۔ مگر باپ تو ہے پس کیا وجہ ہے کہ پیروں کو والدین سے بڑھا رکھا ہے۔

مروّجہ طریقِ بیعت سے احتراز کی وجہ

میں اہل حق سے پوچھتا ہوں کہ پیروں کا جتنا حق ہے انصاف سے بتلادیں کہ لوگ اس سے زیادہ سمجھتے ہیں یا نہیں اور اگر سمجھتے ہیں تو پھر ایسی بیعت عام کو ناپسندیدہ سمجھو گے یا نہیں۔ میں اپنے حق میں تو ضرور سمجھتا ہوں۔ ہاں جس جگہ بیعت ہونے والوں کی طبائع سلیمہ ہوں اور وہاں یہ مفاسد نہ ہوں ان کی یہ ہیئتِ متعارفہ بیعت کے لئے مبارک ہو جو ان مفاسد کا مشاہدہ کرتا ہو وہ ضرور اس کو خیر باد کہہ دے۔ چنانچہ الحمدللہ میں نے اس مفسدہ پر مطلع ہو کر اس کو عموم کے طور پر خیر باد کہہ دیا۔ میں اس کا دعوٰی اور وعدہ کرتا ہوں کہ جو نفع اس ہیئتِ متعارفہ (۱) میں ہوتا تھا وہ اب بھی حاصل ہوگا۔ منفعت (۲) میں کوئی نقصان نہیں آیا مگر چھوڑا

(۱) اس معروف طریقۂ بیعت (۲) فائدے۔

اس لئے ہے کہ اس میں ایک قسم کا یہ ضرر ہے جس کو میں نے ابھی بیان کیا جو لوگ مجھے اس فن کا جاننے والا سمجھیں وہ اس کو ضرور سچا سمجھیں اور مجھ سے راہ پوچھیں اور اس طریقہ سے بیعت کی درخواست نہ کریں اور اگر کوئی اس کو غلط سمجھے تو خیر وہ جانے اور اس کا کام البتہ یہ طریقہ مسنونہ ہے اس کے ترک میں ثواب میں کمی ضرور ہوگی۔ مگر حضرت کے سامنے ثواب کا درجہ موخر ہوتا ہے گناہ سے بچنا مقدم ہے ثواب کی کمی کو کسی دوسرے طریق سے پورا کرلیا جائے گا۔ سارا ثواب اسی میں منحصر نہیں ہے ہمارے دوسرے ہی کام کون سے لائق ثواب ہیں جو اس ایک ہی ثواب کے چھوٹنے کا رنج کیا جائے۔ اگر حق تعالیٰ کے یہاں صف نعال (۱) میں بھی جگہ مل جائے تو بسا غنیمت ہے وہ لوگ بڑے درجہ کے ہیں جو ذرا ذرا سے ثواب کے چھوٹنے پر رنج کرتے ہیں۔ ہم درجوں کے طالب نہیں۔ ہاں اتنا چاہتے ہیں کہ غضب الٰہی سے چھوٹ جائیں اور اس کی رحمت سے بہت کچھ امید ہے۔

مروّجہ طریقۂ بیعت کے التزام کا نقصان

اور یہ تو اس وقت ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ اس ضرر کے ساتھ بھی یہ طریقۂ بیعت موجب ثواب ہے ورنہ اگر مجھے غلط گو نہ (۲) سمجھیں تو میں بتلاؤں گا کہ ثواب کس میں ہے۔ صاحبو! جب طریقہ بیعت متعارفہ اپنی حد سے گزر گیا اور اس کی وجہ سے عقیدہ اور عمل میں خرابی آگئی تو کیا اس ہیئت کے التزام کو بدعت نہ کہا جائے گا اور اس کا ترک کردینا کیا احیاءِ سنت نہ ہوگا (۳)۔ اگر یہ مان لیا جائے تو پھر بتلایئے کہ ثواب کس میں ہوگا۔ خیر میں سب سے درخواست نہیں کرتا کہ وہ ضرور چھوڑیں مگر اپنے حق میں تو میں چھوڑنا ضروری سمجھتا

(۱) جوتوں کی صف میں بھی جگہ مل جائے تو غنیمت ہے (۲) غلط بیانی کرنے والا (۳) سنت کا زندہ کرنا نہ ہوگا۔

ہوں اور اس وقت پہلے سے زیادہ خوبی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اب بدوں (۱) ہاتھ میں ہاتھ لئے جو کسی کو تعلیم کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ شفقت کی جاتی ہے تو اس پر زیادہ اثر ہوتا ہے۔ ایسے ہی اب اگر کوئی میری خدمت کرتا ہے تو اس کا مجھ پر زیادہ احسان ہوتا ہے۔ پہلے کچھ احسان کا اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ نیز پہلے مرید کے پاس بیٹھ کر رعونت (۲) ہوتی تھی اب نہیں ہوتی۔ کیونکہ پہلے زور سمجھا جاتا تھا اب وہ زور نہیں رہا۔ تو آج کل یہ بیعت مشتمل بر مفاسد مذکورہ (۳) بھی تعلق مع غیر اللہ کی ایک فرع ہے۔ پس اس تعلق میں بھی کمی کرنی واجب ہے اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ توجہ متعارف کو (۴) کو ہمارے مشائخ نے ترک کر دیا۔ کیونکہ اس میں بھی غلو ہو گیا تھا۔ چنانچہ اب بھی بعض خاندانوں میں اس طریقِ توجہ ہی کو مدار (۵) اور اصل سمجھ رکھا ہے۔

تکالیف کا علاج

خیر بحمد اللہ اچھی طرح یہ بیان ہو گیا کہ اصل چیز نسبت مع اللہ ہے اور اس کی کس قدر ضرورت ہے اور نسبت مع غیر اللہ بھی بقدر ضرورت جائز ہے۔ بشرطیکہ خدا تعالیٰ کی محبت سے کم رہے۔ میرا قصد اس مضمون کو دوسری طرح بیان کرنے کا تھا، مگر بحمد للہ خوب بیان ہو گیا، غرض تعلق غیر اللہ میں دنیوی اور اخروی ہر طرح کا خسارہ ہے، جس کسی کو تکلیف و پریشانی میں مبتلا دیکھا جائے۔ سمجھنا چاہیئے کہ اس کو غیر اللہ کے ساتھ تعلق زیادہ ہے، اس تعلق کو قطع کر دو تکلیف جاتی رہے گی۔ یہ طریقہ تمام دنیا کی تکالیف کا خاتمہ کر دینے والا ہے۔

---

(۱) بغیر (۲) غرور و کبر کی کیفیت پیدا ہوتی تھی (۳) آج کل کا مروجہ طریقۂ بیعت جس میں یہ خرابیاں ہوں وہ بھی تعلق مع غیر اللہ کی ایک قسم ہے (۴) صوفیاء میں جو مرید پر ایک توجہ ڈالنے کا خاص طریقہ چلا آرہا تھا اس کو چھوڑ دیا ہے (۵) بعض لوگ اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ بیعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ شیخ توجہ کریں گے جس سے کام بن جائے گا۔

تعلقات کی حد

یہی وہ مضمون ہے جو پہلے خود بخود ذہن میں آیا تھا۔ اس کے بعد یہ حدیث نظر سے گزری۔((اللّٰھم اجعل حبك احب الاشیاء الیّ واجعل خشیتك اخوف الاشیاء عندی)) کہ اے اللہ تعالیٰ اپنی محبت کو میرے دل میں سب سے زیادہ محبوب بنادے اور اپنا خوف میرے دل میں سب سے زیادہ پیدا کردے۔ سبحان اللہ! کیا جامع دعا ہے کیونکہ دو ہی طرح کے تعلقات ہوتے ہیں۔ رغبت کے یا ہیبت کے حضور ﷺ نے دو ہی لفظوں میں سب تعلقات کو کھپا دیا(۱) کہ سارے تعلقات اس حد تک ہونے چاہئیں کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی کی محبت نہ ہو اور نہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی کا ڈر ہو۔ سب تعلقات خدا کے تعلق سے مغلوب ہونے چاہئیں، تو وہ مسئلہ وارد قلبی (۲) اچھی طرح ثابت اور سنت سے مؤید ہوگیا۔ حضور ﷺ کے قول سے بھی اور فعل سے بھی کیونکہ میں نے پہلے آپ کو جتلا دیا ہے حضور ﷺ کے افعال بیان کر کے کہ آنحضرت ﷺ کو کسی چیز سے زیادہ تعلق نہ تھا۔

اللہ سے تعلق بڑھانے کا طریقہ

اب میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ تعلق خداوند تعالیٰ سے کیونکر بڑھ سکتا ہے۔ اس کا کیا طریقہ ہے تو سنیئے سب سے پہلے تو آپ اس کام کی پختہ نیت کرلیں کہ جیسے ہو خدا تعالیٰ کی محبت پیدا کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد گزشتہ گناہوں سے خالص توبہ کیجئے اور آئندہ کے لئے اہتمام کر کے گناہوں کو چھوڑ دو اور اول (۳) ضرور تکلیف ہوگی۔ مگر پھر ان شاء اللہ تعالیٰ مدد ہوگی اور کام آسان ہوجائے گا۔

---

(۱) سمودیا (۲) وہ مسئلہ جن کے بیان کرنے کا دل میں تقاضا پیدا ہوا تھا اچھی طرح ثابت ہوگیا اور سنت سے اس کی تائید بھی ہوگئی (۳) شروع شروع میں۔

اس کو قرب میں بڑا دخل ہے۔ پھر ان شاء اللہ نیک کاموں کی عادت ہو جائیگی۔

دوسرے کسی اللہ والے سے تعلق رکھو اس سے امراض قلبی کا علاج کراؤ اگر وہ بیعت کرتا ہو تو بیعت ہو جاؤ اور نہ کرے تو علاج پر اکتفا کرو۔

تیسرے یہ کہ کچھ تھوڑا سا وقت ذکر کے واسطے معین کرلو۔ جتنا بھی ہو سکے چاہے پندرہ ہی منٹ ہو اور ذکر اسی نیت سے کرو کہ دل میں محبت خداوندی پیدا ہو جائے۔ یہی ثواب کی جڑ ہے اکثر لوگ مختلف نیتوں سے ذکر کرتے ہیں۔ اسی لئے نفع نہیں ہوتا۔ بس یہ تین باتیں اگر نباہ کرلو گے تو خدا سے ایسا تعلق ہو جائے گا کہ ہر چیز ہیچ اور اس کے آگے گرد (۱) نظر آئے گی پھر چند روز میں وہ حالت ہوگی۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش
چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس
ہمیں است بنیاد توحید و بس (۲)

اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ توفیق نیک عطا ہو۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔

تمّت

(۱) ہر چیز اس کے مقابلہ میں حقیر معلوم ہوگی (۲) ''موحد کے قدموں پر مال وزر نچھاور کرو۔ خواہ اس کے سر پر فولاد ہندی رکھو، اس کو کسی سے امید و ہراس نہیں ہوتی۔ بس یہی توحید کی بنیاد ہے۔ ۱۲ص)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس طریق پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

فقط: خلیل احمد تھانوی ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ۔ ۲۹ اپریل ۲۰۰۸ء۔

﴿رمضان شریف﴾

نعمتیں آئیں مہینہ رمضاں کا آیا　　ہر مسلماں کے لئے رحمت و برکت لایا
دین و دنیا کی عجب نعمت عظمیٰ آئی　　گھر کے ہر سمت سے اب رحمت مولیٰ آئی
ہم مسلمان ہیں دیتے ہیں فقط حکم پہ جاں　　کیا ہے پھر دانہ و آب حُقّہ و سگرٹ اور پان
ہم کو اسلام کا دعویٰ تو ہے سچا دعویٰ　　اس لئے ظاہر و باطن میں ہو کرنا تقویٰ
نام اسلام کا ہے عشق کی وادی میں قدم　　سر میں سودائے طلب ہاتھ میں حکمونکا علم [۱]
سر کے بل چلتے ہیں حکموں پہ مسلماں سارے　　ہم بھی مسلم ہیں تو اس کام سے ہم کیوں ہارے
جب یہ منظور ہے انسان ہو فرشتوں کا مثیل [۲]　　ہم بھی ہر خواہش نفسی پہ کریں صبرِ جمیل [۳]

نفل کا اجر ہے فرضونکے برابر اس میں
اجر ہر فرض کا ہو جاتا ہے ستر اس میں

(ماخوز از: جمالیاتِ جمیل)

مجموعہ کلام مفتی جمیل احمد تھانویؒ